شیرِ بلوچستان

(اردو ڈرامہ)

بی برگ رند

سنہ ۱۴۷۰ء تا ۱۵۸۵ء

شاہین روحی بخاری

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

جملہ حقوق محفوظ

سالِ اشاعت .... سنہ ۱۹۸۰ء

تعداد ۱۰۰۰

قیمت .... ۲۰ روپے

ناشر:۔ بلوچی اکیڈیمی ۔

مطبوعہ:۔ قلات پریس کوئٹہ

انتساب

امیر بی برک رند کی اولاد

ممتاز مورخ، محقق اور دانشور محمد سردار خان بلوچ کے نام۔
جو بلوچی تاریخ و ادب میں اعلیٰ اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔

ترتیب

شیر بلوچستان ۱۱

شہزادی گراں ناز ۴۳

گوہر کی اونٹنی ۷۷

پیش لفظ

MUHAMMAD SARDAR KHAN BALUCH
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Review of the drama entitled
'The lion of Baluchistan', written
by Miss Shāheen Rūhi Bukhāri

Bibark (Bivragh) is the most charming and fascinating figure in the annals of the Baluch race. Before giving any comment on the drama written by famous novelist, Miss Shāheen Rūhi, I appreciate and extol the very selection of the title of the book as "The lion of Baluchistan" which depict the abilities and capabilities, grace and grandues of Bibark, who stands nonpareil in the history of the Baluchis. I have read the book from comma to comma

Muhammad Sardar Khan Baluch

and sentence to sentence. The authoress
has started the drama with a zeal and
zest that it is beyond the compass of
thought to describe, for in a dreary and
barren country like Baluchistan, such a
fertile pen is a rare phenomenon indeed.
The colourful imagery, fluent and flowery
language from first page to the last is
the greatest achievement and gift that
goes to the credit of the authoress. The
events throughout the drama are fully
authenticated by historical facts. We
can easily assert that facts have been
clothed into poetry and poetry into fanciful
drama. The authoress has paved a new way

MUHAMMAD SARDAR KHAN BALUCH

rather given an incentive to future Baluch writers to dramatize the life events of the distinguished personalities of Baluch history. In the end, I hope and expect from her florid pen and precocious genius to devote her time more towards the uplift and improvement of Baluchi literature. The Baluchi Academy should rather must feel proud that the dramatic life events of a magnificent hero has been dramatized by a magnificent pen.

Muhammad Sardar Khan Baluch
B.A. (Hons), M.A. (Alig) M.R.A.S. (London)
Chairman Baluchi Academy.
Chairman Baluchistan text book board
Founding fellow of the Pakistan Academy of Letters.

Sd/14.9.80

بلوچی شعر

جی منی وتائی حدیثانی
وبرایہنانے منان دائیں

([illegible])

اردو ترجمہ

خوشا میرے جوانی کے کارنامے یا قصے
کاش کہ دوسری مرتبہ جوانی مجھے ہمکنار کرتی ۔

مصنفہ ؛ شاہین روحی بخاری

سیرِ بلوچستان

بلوچوں میں جب سردارِ اعظم میر چاکر خان کا ذکر آتا ہے وہاں بلوچوں کے ایک اور درخشاں ستارے جرأت و بہادری کا حسین پیکر اور مردانگی کا ایسا اعلیٰ شاہکار جس کی یاد صدیاں گزرنے کے بعد بھی اور آنے والی صدیوں میں بھی کبھی فراموش نہیں کی جا سکیں گی وہ بلوچستان کے افق پر ابھرنے والا اختر "بی برگ" ہے۔ اس بلوچی نوجوان کا اصل نام ابوبکر تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے بی برگ پکارنا شروع کر دیا اور بالآخر بی برگ کے نام سے مشہور ہوا۔ بی برگ کے خون میں اپنے خاندان کی تیغ زنی اور سردارِ اعظم کی جانب سے بادشاہت پنہاں تھی۔ واقعہ ہے کہ مکران میں بیٹھ کر سردارِ اعظم میر چاکر خان نے سوچا تھا کہ میں بلوچستان کو بھی فتح کر لوں اور یوں وسعتِ خیالی کا احساس لئے وہ بلوچستان آ گئے۔ یہاں آ گئے تو تیغ زنی کا ارادہ نہ کیا اور اپنے قبیلے کو طاقتور بنانے کے لئے ان طاقتور قبیلوں سے رشتہ داری کا خیال آیا اس

وقت بلوچستان میں بلوچ رند طاقت کے لحاظ سے بڑا قبیلہ تھا۔ میر بہار خان سے میر چاکر خان کی بہن کی رشتہ داری ہوئی (یعنی شادی ہو گئی) یوں بلوچستان میں پوری طاقت سے دو بہادر قبیلوں کی تلواریں ملیں۔ دونوں کے ملاپ نے قبیلے کی مضبوطی میں اہم کردار ادا کیا۔ رند قبائل کے بارے میں مشہور ہے کہ امیر جلال خان کے بڑے بیٹے کا نام رندو تھا جو بعد میں رند بنا اور اسی سے رند قبائل کی نسل آگے چلی۔ میر چاکر خان کا بہنوئی میر بہار خان جس سے بی برک۔ بی برک ہے خود بھی نہایت جری اور بہادر تھا۔ تلوار کا انداز یہ کہ ہوا میں لہرائی نہیں کہ دشمن کے دو ٹکڑے ہوئے۔ بی برک میر بہار خان کی اکلوتی اولاد تھی اور یوں بلوچوں کے سردار اعظم میر چاکر خان جن کی داستانیں جرأت و بہادری، سخاوت، اخلاق بچے بچے کی زبان پر ہے۔ "بی برک کا سگا ماموں ہے" برک نہ صرف حسن و جمال کا نمونہ تھا۔ بلکہ بہادری، تیغ زنی، تلوار زنی میں بھی اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس پر اس کی رومانی شخصیت اور شعر و شاعری کی سحر بیانی۔ بلوچ آج بھی کہتے ہیں کہ بی برک نے شاعری کی دنیا میں ایسی آگ لگائی ہے بلکہ جلائی ہے کہ ہم آج بھی اس کی راکھ پھونک رہے ہیں۔ بی برک کا ہر شعر ہر واقعہ کا اہم ستون ہے۔ بلوچ عورتیں اکثر اوقات آج بھی اس کے شعر گنگناتی رہتی ہیں اور اپنے بچوں کو شرارت کرنے پر طعنہ دیتی ہیں کہ جاؤ اور بی برک بن کر دکھاؤ جس نے تن تنہا دشمن کے ڈیڑھ لاکھ نفوس پر مبنی فوج میں جا کر جرأت کی ایسی مثال قائم کی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ عورتیں آج بھی کہتی ہیں کہ بی برک کی سحر انگیز شخصیت کے سامنے دوسری تمام شخصیتیں ماند لگتی ہیں۔ اس کی تیکھی نظر ہر راہ چلتے کو اس کی نظروں کا اسیر بنا دیتی ہے اور دوشیزائیں اپنی دھڑکنوں کو جی میں چھپائے جب پتھر پہ روٹی ڈالتی ہیں تو آگ کی تپش اس کے خیالوں اور حسن کو محسوس کر کے چاند کی ٹھنڈک کی طرح لگتی ہے۔ رخسار تمتا اٹھتے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ غالباً اس پہاڑی راستے سے بی برک کے گھوڑے کا گزر ہوا ہو گا

شادی بیاہ میں گیت گانے جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بی برک کے ہونٹ
کے لمس سے یہ رومانی شعر نکل کر فضا میں بکھر جاتے ہوں اور جب وہ قہقہوں
رنجش انتہا کو پہنچتی ہے تو لگتا ہے کہ بی کی دانشمندی فتح و کامرانی اس زر
میں ارتعاش پیدا کر کے ملاپ کو جنم دے رہی ہو۔ جب پتھر پہ پکنے والی روٹی اور
میں پکی روٹی کی پپڑیاں دوشیزائیں جب اپنے موتی ایسے سفید دانتوں سے توڑ
ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ بی برک کا خوبصورت انداز اور منہ کے دہانے سے
کا انداز اپنی پوری یادوں کے ساتھ نظر آ رہا ہو۔ وہ مردانہ حسن کا اعلیٰ نمونہ
دشت کی اڑتی گرد اور کڑکتی دھوپ بی برک کے گھوڑے کے سموں کی طرح
ہے جو کابل سے سبی تک بغیر سانس لئے اور بغیر آرام کئے بجلی کی سی تیزی
ساتھ منزل مقصود پر پہنچتا تھا اور تیز رفتار گھوڑا بی کے عزم و ہمت کا نمو
ہے سرپٹ دوڑتا ہے کہ کہیں اس کا غیظ و غضب اڑتے آنچلوں کو آگ
چنگاری میں نہ لپیٹ دے اور یہ چٹیل میدان خون سے لالہ زار نہ ہو جائیں۔
بی برک کے حلیہ کے بارے میں روایت ہے کہ اس کا چہرہ اتنا روشن اور شاداب
تھا کہ مدمقابل اپنے چہرے کا عکس اس کے چہرے پر دیکھنے کی کوشش کرتا تھا
پر سرخی کا عالم جیسے سرخ خون کے بھرے پیالوں میں کسی نے
ہاتھ ڈال کر خون کو رخساروں پر لیپ دیا ہو اور سرخ
خون اس کے رخساروں پر جم کر رہ گیا ہو۔ آنکھیں کشادہ اور سیاہ کالی تھیں۔ دیکھنے
محسوس ہوتا جیسے اندھیری راتوں میں ہلالی چاند کے افق پہ نکلنے کا مژدہ سنا رہی ہوں
ہونٹوں کے خطوط واضح اور سطح انتہائی چمکدار اور روشن جیسے ہونٹوں سے روشنی منعکس
ہو کر مدمقابل کو اپنے سحر میں مبتلا کر رہی ہو۔ ایک عجیب کشش تھی اور یہی وہ کشش
تھی جو راہ چلتے دوشیزاؤں کو مسحور کر دیتی اس کشش نے شہزادی گراں ناز کو بھی
دامن میں لپیٹ لیا تھا۔ ناک ستواں داڑھی روایتی انداز میں لیکن مونچھیں چہرے
بھاری پن میں رعب و دبدبے کا نشان نظر آتیں پورے بلوچستان میں اس کی مونچھ

ریا میں کوئی ثانی نہ تھا۔ اگر بی برگ جا ہے تو ان مونچھوں کی دونوں طرف کی نوکوں کو اوپر کر کے سر پر باآسانی باندھ سکتے تھے۔ جسامت، طویل القامت اور بھاری جسم کے بھرو جوان تھے۔ سولہ برس کی عمر میں ہی کڑیل جوان لگتے تھے۔ چوڑا چکلا سینہ بازوؤں مچھلیاں ڈولے اتنے مضبوط کہ اگر مٹھی بند کر کے بناتے تو اینٹ پتھر مارنے پر بھی ٹوٹ نہ ہوتا اور وہ ڈولا اپنی جگہ سے نہ ہلتا گویا کہ وہ مکمل مردانہ جمال کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ بازوؤں کی طاقت اتنی کہ مسلسل ۱۲ گھنٹے تک تیغ زنی کے باوجود نہ تھکتے۔

لباس کمر سے تنگ چنا ہوا گھیر دار چغہ اس پر نایاب قیمتی کمخواب کی خوبصورت سنٹ سر پر پگڑی۔ ریشمی لنگی تلہ والی جس کے کنارے پر ہیرے جواہرات طلائی زنجیریں لگی ہوں۔ جس گھوڑے پر سوار ہوتے اس پر کم از کم آدھا من سونا ہوتا۔ گھوڑے کی پوری زین سونے کی ہوتی۔ اس کے یہ شاہانہ انداز مردانگی بانکپن سونے پر سہاگہ تھا۔ کچی زمین پر قدم اٹھتے تو زمین پر چپل کے نشان جاتے۔ یہ اس کی طاقت کی علامت تھے۔ پنجاب میں رومانی کہانی ہیر رانجھا بھی و کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں عاشق کا کردار سراسر عشق پر مبنی ہے۔ اس عاشق اپنے عشق کی ناکامی کا گلہ کرتا ہے جب کہ سندھ کی لوک رومانی کہانی سسی پنوں بھی رہتے ہیں دب کر مظلومی کا احساس دلاتے ہیں۔ اسی طرح سے نے شیریں کے عشق میں دودھ کی نہر کھود دی لیکن اسے جب شیریں نہ اس نے نہر کھودنے کے لئے استعمال ہونے والے تیشے سے ہی اپنا سر ڈالا۔ ادھر بلوچستان کی کہانی میں ہانی شاہ مرید کی داستان بھی ملتی ہے زنی برگ، بوکبر کی رومانی داستان ان سب سے منفرد ہے۔ اس کی رومانی میں مجبوری نہیں ملتی اور نہ ہی مظلومیت کا احساس عیاں ہوتا ہے۔ وہ اپنے یں۔ اپنی حکمت عملی پر بھروسہ کرتا ہے اور پسند آنے والی چیز کو حاصل کر لیتا اس میں بھی حسن کی مرضی کو مکمل دخل ہوتا ہے وہ جبر کا عادی نہیں ہے وہ

ایسا جری بہادر عاشق ہے جس کے لئے حسن کی شہزادیاں اپنا تن من دھن نچھاور
کرنے کو اپنے لشکروں کی بھی پرواہ نہیں کرتیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے چہرے
ایسی مقناطیسیت تھی کہ دشمن علاقوں کی دوشیزائیں بھی بے اختیار اپنا دل
قابو میں نہ رکھ سکتی تھیں۔ بی بگر کے حالات زندگی اور اس کے مختلف پہلوؤں
پر لکھا جائے تو کئی کتابیں درکار ہوں گی۔ میں نے اس کی زندگی کے چند اہم
واقعات کو حاصل کر کے اس کی شخصیت کو مدنظر رکھ کر اپنی سعی بی بگر
پر اردو ڈرامہ لکھنے کی کوشش کی ہے اور مجھے اپنی اس کوشش پر بلا شبہ فخر
ہے کہ میرے کمزور قلم سے ایک طاقتور و قدآور شخصیت کا ڈرامہ تحریر ہوا ہے۔

شام کا وقت ہے ہلکا ہلکا سرمئی اندھیرا چھا رہا ہے۔ میر بہار خان کی بیوی بی بگر
کی والدہ کھڑکی کے سامنے کھڑی ہے۔ سامنے آسمان نظر آ رہا ہے اور آسمان ستاروں سے
ڈھکا ہے۔ وہ کچھ حیران سی ہے اور بار بار کہتی ہے یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے!
وہ کیسا درخشاں ستارہ ہے کہ اتنے میں میر بہار خان آتا ہے۔ راستے میں ہی
ملازمہ اس کا سامان اتارتی ہے۔ وہ اندر داخل ہوتا ہے تو اس کی بیوی گھبرا
جاتی ہے۔

میر بہار خان ۔ کیا بات ہے پریشان نظر آ رہی ہو (یہ کہہ کر وہ جوتے
اتارنے لگتا ہے)

بیوی :۔ سردار غضب ہوا ہے۔ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ اس مسئلہ کو
کیا سمجھوں میرا خیال ہے کہ کل سالم دنبہ ذبح کر کے کچھ آئندہ
کے حالات کا پتہ چلاتے ہیں۔

میر بہار خان :۔ میر چاکر سردار اعظم کا کوئی پیغام آیا ہے۔

بیوی :۔ نہیں سردار یہ بات نہیں۔ میں نے ابھی آسمان سے ایک
ستارے کو زمین پر گرتے دیکھا ہے۔

میر بہار خان :۔ ستارے گرتے رہتے ہیں تم فکر نہ کرو، یہ ہمارے لئے نحس ثابت نہیں ہوگا۔

بیوی :۔ بلا شبہ سردار! آپ درست کہتے ہیں۔ وہ ستارہ ہمارے لئے نحس ہرگز نہیں ہے ——— وہ ستارا ہمارے گھر میں (جھینپ شرما کر) جیسے میرے دامن میں گرا ہو۔

میر بہار خان :۔ (قہقہہ لگا کر) مجھے امید ہے کہ ہمارے آنگن میں وہ ستارہ ضرور آئے گا اور میرا وارث پیدا ہوگا اور اس کا نام بوبکر (بی برک) رکھوں گا ۔ ۔ ۔ وہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ بلوچوں کی سرزمین پر ستارے کی طرح چمکے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ یہاں کا چاند ہوگا۔

بیوی :۔ ہاں سردار یقیناً تمہارا وارث تمہاری طرح جری بہادر اپنے ماموں میر چاکر خان کی طرح تیغ زن ثابت ہوگا۔ ۔ کیونکہ اس کے خون میں سردار اعظم اور سردار بہار خان کے خاندان کا اثر شامل ہوگا۔

میر بہار خان :۔ آؤ ——— مجھے بتاؤ وہ ستارہ آسمان کے کس رخ سے گزرا۔

بیوی :۔ سردار اس کی لائن وہ سامنے سے بنی ہے۔ (وہ دونوں افق کی جانب دیکھتے ہیں)

ایک بلوچ :۔ (میر بہار خان سے) آپ کو اور پورے قبیلے کو مبارک ہو۔ بیٹے کی مبارک ہو۔ سردار اعظم میر چاکر خان کی جانب سے تحفے آئے ہیں۔ وہ خود شام کو اپنے بھانجے کو دیکھنے آئیں گے۔

میر بہار خان :۔ (مسکرا کر) میر محمد، سردار اعظم کو ہماری جانب سے بھی یہ تحفہ دے دینا اور کہنا کہ تمہاری آمد کا انتظار رہے گا۔ (قدموں کے آنے کی آواز)

محمد خان بلوچ :۔ سردار بچے کی خوشی میں ہم جشن منانا چاہتے ہیں۔ جس میں سجی اتنی ہو گی کہ علاقے کے تمام لوگ بچے۔ بوڑھے۔ عورتیں مرد کھائیں تو تب بھی وہ ختم نہ ہو۔

میر بہار خان :۔ جشن میر چاکر خان کی آمد پہ کیا جائے گا اور وہ آج شام یہاں آ رہے ہیں۔ سب سے کہہ دو کہ بلوچوں کی روایتی مہمان نوازی میں ذرا بھر بھی فرق نہ آئے وہ جہاں سے گزریں لوگ اپنی پلکیں بچھائیں۔ عورتیں اتفاق و محبت۔ اخلاق کے گیت گائیں اور مرد اپنی قوت کو ان پر نچھاور کرنے کا عہد کریں۔

محمد خان :۔ سردار! بچے کے بارے میں آیا عجیب و غریب باتیں کرتی ہے۔

میر بہار خان :۔ (مسکرا کر) وہ ٹھیک کہتی ہے۔ خان بلوچ بچے کی آنکھوں میں کالی ڈوری ایسے طلسماتی انداز میں کھنچی ہے کہ جی چاہتا ہے بے اختیار بچے کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دوں (تصوّر میں بچے ابھر کی تصویر) وہ اپنے ہاتھوں کو اس مہارت سے جنبش دیتا ہے جیسے وہ بہترین تیغ زن ہو۔ بلاشبہ خان میرا بیٹا بیبگر اور میر چاکر خان کا بھانجا نہ صرف بہادر ہو گا بلکہ اس کا جمال بھی قابل دید ہو گا۔

وقت گزرتے دیر نہیں ہوتی۔ خان بوپ باہرک کی تربیت کے لئے بہترین تیغ زن رکھے جائیں گے تاکہ وہ جنگ وجدل کے فن میں بھی مکمل مہارت حاصل کرے ——— جشن کا وقت قریب آرہا ہے۔ تیاریاں مکمل ہوگئی ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی بلوچوں کی روایتی موسیقی اور بلوچی چاپ کم از کم دو منٹ تک ہی دکھایا اور سنایا جاتا ہے۔

خان بلوچ :۔ (آٹھ سالہ بچے بی برک سے) تلوار چلاتے شاباش بی برک
شاباش دستے کو یہاں سے تھام لو۔

بی برک۔ چاچا مجھے معلوم ہے کہ دستے کو یہاں سے پکڑنے پر گرفت مضبوط
ہوگی۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تیر کا نشانہ کیسے بتاؤ گے۔
میں اپنے لئے یہ سب کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے خدا
نے مجھے قوت و ہمت دی ہے۔

خان :۔ شاباش بی برک تم ——— تم شاعر بھی بن گئے ہو

بی برک :۔ چاچا مجھے نہ صرف گلاب کے پھول اچھے لگتے ہیں بلکہ تلواریں اور
تیر کمان بھی۔ تیر کا نشانہ مجھے پریکٹس اور تربیت سے اچھا آئے
گا نا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ ہر بات کو شعر کی زبان میں کہوں۔
چاچا شعر کی زبان بڑی میٹھی اور خوبصورت ہوتی ہے نا اور مجھے
شیرینی بھی بہت پسند ہے لیکن چاچا یاد رکھنا اگر آزمائے ہوئے
دشمن سے شیرینی سے بات کی نا تو وہ زندہ نہیں چھوڑے گا ان سے
تیر کمان اور تلوار کی زبان سے بات کرنا۔ ایسے . . . . .

بی برک بہ تیز جھنجلانے لگتا ہے اور اس کا ہر تیر نشانے پر پکا بیٹھتا ہے

جب کہ اس کا استاد خان بلوچ حیرانی سے اس بہادر بلوچ بچے کو دیکھتا ہے جو اپنے باپ کی اکلوتی اولاد بھی ہے لیکن بہت سی صفات کا مالک۔

کتنا عرصہ اسے اسی طرح سے گزر جاتا ہے۔ زمانے کے بدلتے رنگوں کو سازوں کی دھن میں واضح کیا جاتا ہے اور بی برک ۱۶ سال کا خوبصورت حسین وجمیل بہادر نوجوان کی صورت میں نظر آتا ہے۔

وہ پہاڑی علاقہ ہے اور گھوڑے کے سرپٹ دوڑانے کی آواز اس شور میں بوڑھے خان بلوچ کی آواز سنائی دیتی ہے اور گھوڑے کی ٹاپوں میں ارتعاش کی وجہ سے آواز پہاڑوں سے ٹکرا کر بازگشت لگتی ہے یہ بستی کے اطراف کا واقعہ ہے۔ بابا چلاتا ہے۔ بی برک او نکڑ ئیل جوان خون کی گرمی کو ذرا لگام دے اور گھوڑے کو آہستہ چلا۔ مجھے خوف محسوس ہوتا ہے تو سیدھے راستے کی بجائے ٹیڑھے راستوں سے اور پہاڑ کی اونچائی سے گزرتا ہے۔ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز مدہم ہو جاتی ہے۔ بی برک درخت کی چھال کو تیز نکیلی چاقو کی نوک سے کاٹ کر نام لکھ رہا ہے۔ اتنے میں خان بلوچ ہانپتا کانپتا اس کے قریب جاتا ہے اور کہتا ہے۔

خان بلوچ :۔ بی برک ماں باپ تجھ پر ناز کرے۔ ماموں فخر کرے۔ راستہ طے کرتے خطرہ مول نہ لیا کر۔

بی برک :۔ گہری نظروں سے اسے دیکھ کر چاچا بزدلی کی باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں۔ سمجھے اگر جینا ہو تو بہادروں کی طرح جیو۔ ورنہ کسی پرانے کنوئیں میں گر کر مر جانا اچھا ہے۔ سمجھے (بدستور نام لکھتا ہوا)

خان بلوچ :۔ درخت کی چھال پر نام لکھ رہے ہو۔

بی برگ :- ہاں! میں اس نام سے ذرّہ پر تیر اندازی کروں گا اور اپنے نشانے کا جائزہ لوں گا۔

خان :- جلدی کرنا بیٹے! خانِ اعظم ہمارے سردار کا آج دربار ہے وہ اس میں کوئی اہم بات کریں گے۔

بی برگ :- نشانہ لگانے کے بعد آپ جائیں میں حاضر ہوتا ہوں۔

گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز۔

اس علاقے کی ایک جاٹ لڑکی جو بی برگ پر فریفتہ ہے۔ آتی ہے اور اسے پکار کر کہتی ہے۔ لڑکی : بی برگ جوار لائی ہوں۔

بی برگ :- مسکرا کر نرم چیز لائی ہے۔ (سدھو) میرے دل کو تو جوار کی بجائے لوہے کی روٹی پکا کر لا تاکہ میرے دانت اس کے چبانے سے لطف اندوز ہوں۔

جاٹ لڑکی :- ہائے اللہ بی برگ کیسی باتیں کرتے ہو۔ میں کوئی لوہار کی بیٹی ہوں کہ ریزے ریزے جمع کر کے روٹی پتھر پر تھاپ دوں

بی برگ :- (گھوڑے پر سوار ہو کر) اچھا خدا حافظ اور گھوڑا سرپٹ دوڑا دیتا ہے۔

جاٹ لڑکی :- وہ اس کی دھول کو مایوسی سے تکتی رہ جاتی ہے۔ اس کے ہاتھ سے جوار کی روٹی گر پڑتی ہے اور آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ——— دھیرے سے روٹھتے کہتی ہے۔ تجھے کیا معلوم اے بہادر نوجوان میں ہر دن اور ہر رات تیرے تصور میں گزارتی ہوں اور تجھے خبر ہی نہیں کہ کیا بات ہے؟

دربار لگا ہے۔ بلوچوں کا سردار اعظم میر چاکر خان مسند پر بیٹھا ہے ہر دلیر کا شخص کی تلوار اور تیر کمان اس کے جسم پر آویزاں ہیں۔ ان کے چہروں سے رعب و دبدبہ عیاں ہے۔ ان سب میں کمسن بی برگ ہے

لیکن جرأت اس کے چہرے سے عیاں ہے۔ اس کی پوشاک بے حد نفیس ہے اور جھل مل کرتے ہیروں اور جواہرات پر اس کی نظر نہیں ٹکتی۔ میر چاکر خان باری باری سب سرداروں کا جائزہ لیتا ہے

میر چاکر خان :۔ سنا ہے کہ گندھاوا (ضلع کچھی) کے قلعہ میں لاشاریوں کا سردار گوہرام لاشاری اپنی طاقت میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔

ایک سردار :۔ اے سردار اعظم ہمارے ایک لاکھ تیغ زن آپ پر نثار ہوں۔ اطلاع ہمیں بھی ایسی ہی ملی ہے۔ سردار گوہرام لاشاری کی یہ سرگرمی کسی مزید چپقلش کا نتیجہ ثابت نہ ہو اور اگر ایسا ہوا سردار تو رند قبائل اس مرتبہ دشمن کے مقابلہ کے لئے کسی اور کو زندہ نہ چھوڑیں گے

میر چاکر خان :۔ (باری باری سب کا جائزہ لیتا ہے) اور پھر اپنی جیب سے آدھ سیر وزنی سونے کی کنگھی نکال کر میز پر رکھ دیتا ہے۔ سب سرداروں کے چہرے پر نظریں ڈالتا ہے ہر سردار کی داڑھی بے حد گھنی ہے اور داڑھی کے گھنے بالوں نے آدھے چہرے کو چھپا رکھا ہے اور بارعب آواز میں کہتا ہے۔ اے بلوچستان کے دلیر سرداروں تم میں کون ایسا بہادر اور جری ہے جو آدھ سیر وزنی سونے کے کنگھے کو اپنی داڑھی میں چند سیکنڈ تک لگائے گا جس کی بھی داڑھی میں یہ وزنی کنگھا پھنس گیا میں اسے ایک اہم راز بتاؤں گا۔

خاموشی، چہ میگوئیاں (سردار اعظم جان بھی مانگیں ہم دے دیں۔ لیکن)

ایک سردار :۔ (دوسرے سے سرگوشی کرتے) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اتنا وزنی کنگھا داڑھی کے بالوں میں اٹک جائے۔ اسے بالوں میں پھیرا تو جا سکتا ہے لٹکایا نہیں جا سکتا۔

(بالکل خاموشی)

میر چاکر خان ۔ سوالیہ انداز میں سب کا جائزہ لیتا ہے تو اسے محسوس ہوتا
جیسے بی برگ بے چینی سے پہلو بدل رہا ہے۔ چند لمحوں بعد
جوشیلے انداز میں بی برگ اٹھ کھڑا ہوا۔ سترہ برس کے اس دراز
بلوچ نوجوان کے چہرے پر خون کی گرمی دوڑ رہی تھی۔

بی برگ ۔ (آداب بجا لاتے) سردار اعظم بلاشبہ یہ کنگھا میں اپنے چہرے
میں اتاروں گا (سب سردار حیرت زدہ رہ جاتے ہیں)

بی برگ ۔ سونے کی کنگھی کو اپنے ہاتھوں میں پکڑتا ہے اور اس کے وز
اندازہ کرتا ہے پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے خوبصورت چہ
پر دوڑتی ہے۔ وہ فوراً کنگھے کو لے کر اپنے سرخ و سفید
میں اس کے دندانے پیوست کر دیتا ہے۔ تکلیف کی شدت کا
نہیں کرتا اور اس کا چہرہ خون آلود ہو جاتا ہے۔ خون دھ
کے ساتھ قطرہ قطرہ زمین پر گرنے لگتا ہے۔ سارا دربار ہکا بکا
جاتا ہے۔ واہ! واہ سبحان اللہ اور تحسین کے کلمات ابھرتے
اور میر چاکر خان اٹھ کر اس کے قریب جاتا ہے۔ اس کے چ
میں پیوست کنگھے کو کھینچ کر اتارتا ہے اور پھر چہرے پر
سرخ خون کے قطروں کو اپنی انگلی پر لگا کر کہتا ہے۔

میر چاکر خان ۔ بے شک بی برگ تو بہادر جوان ہے۔ تیرے باپ میر بہار
نے میرے بھانجے کی پیدائش کے وقت اس کی ناف کو گھوڑ
سے باندھ کر یہ بتا دیا تھا کہ تو یقیناً بہت بڑا شہسوار ثابت
تیری ماں یعنی میری بہن نے تیرے سرہانے تلوار رکھ دی تھی کہ
تیغ زن ہو گا۔
اور تیرے گلے میں بھیڑیے کے ٹخنے لٹکائے گئے تھے کہ تو بے
اور حرکت کرنے والا بنے اور ان کی یہ روایتیں سچ ثا

ہو گئی ہیں۔
جو شیلے انداز میں تیرے جسم کا سرخ خون گواہی دیتا ہے کہ بلا شبہ
تو ہی وہ راز جاننے کا صحیح حقدار ہے جسے میں دو راتوں سے اپنے
سینے میں دبائے ہوئے ہوں۔ وہ راز خون کی ایسی گٹھلی ہے جو میرے
حلق میں پھنسی ہے نہ باہر نکلتی ہے نہ معدے میں جاتی ہے۔

بی برک :۔ سردار اعظم میں آپ کے راز کی اس گٹھلی کو اس کے مقام تک پہنچا
دوں گا۔ انشاء اللہ۔

چاکر :۔ (سب سرداروں سے مخاطب ہو کر) میں تخلیہ چاہتا ہوں میرے دوستو۔
سب سردار سلام کر کے چلے جاتے ہیں تو میر چاکر بی برک کو اپنے
قریب بلاتا ہے۔ سنو میرے شیر دل سچی بھلا تجھے یہ واقعہ دو دن قبل
کا ہے۔ جب میں فقیروں کا بھیس بدلے شہر کا چکر کاٹ رہا تھا تاکہ
اپنی رعایا کا حال معلوم کر سکوں (بازگشت) (فلیش بیک) روایت ہے کہ
میر چاکر خان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے اصولوں پر چلتے رات
کو پھٹے پرانے کپڑے پہن کر فقیروں کا بھیس بدل کر اپنی قوم کے
غریبوں کا حال اور مسائل معلوم کرنے ہر رات نکلا کرتا تھا کہ ایک
رات جب تاریکی گہری تھی اور نئے مہینے کے چاند کے طلوع ہونے
کا انتظار تھا۔ میر چاکر فقیروں کے بھیس میں چلا جا رہا تھا کہ اسے گلی
کے قریب دو بلوچ عورتیں باتیں کرتے سنائی دیں۔ وہ رک گیا۔

بلوچ عورت :۔ آئی آج غضب ہو گیا۔ دربار میں میر چاکر خان کے خوبصورت اور
ننھے بھانجے نے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں۔ وہ بہادری
کی انتہا ہیں۔

دوسری عورت :۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ وہ میر چاکر خان کی طرح سخی
بھی ہے۔ سخاوت بھی اس پر ختم ہوتی ہے۔

پہلی عورت :۔ (ہنس کر) قوم کی عورتیں اس کے لئے بہادری کا گیت دف بجا کر گاتی ہیں۔

دوسری :۔ سنا ہے کہ بی برک شعر بھی کہتا ہے اور بہت خوبصورت کہتا ہے

پہلی :۔ ہاں وہ جس راستے سے گزرتا ہے اس راستے کے نشان اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ بی برک یہاں سے گزرا ہے۔

میر چاکر خان :۔ (آگے بڑھ جاتا ہے) اور جی ہی جی میں کہتا ہے بی برک آج ساری قوم میں تیرے گیتے کا چرچا ہے۔ میں حیران ہوں کہ تو کیا ہے۔ وہ راستوں پر چلا جا رہا ہے کہ اسے رات کی تاریکی میں ایک گھوڑا سوار دکھائی دیتا ہے وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ گھوڑا سوار سرپٹ دوڑتے ہوئے میر چاکر خان کے قریب آجاتا ہے۔

میر چاکر خان :۔ (اسے دیکھتے ہی چونک اٹھتا ہے) ہمارا دشمن لاشاری قبیلے کا سردار گوہرام لاشاری۔ لیکن یہ یہاں کیسے آیا۔ کیوں آیا۔ اپنے غصہ کو دباتا ہے۔

گوہرام لاشاری :۔ (میر چاکر خان کو نہ پہچان کر) او! فقیر بابا۔ او ملنگ بابا! ذرا میری بات سننا۔

میر چاکر خان :۔ مڑ کر لیکن اس کی طرف نہ دیکھتے ہوئے۔ کیا بات ہے؟

سردار گوہرام لاشاری :۔ آپ فقیر ہیں۔ آپ کا مرتبہ بڑا ہے۔ میرا ایک کام کر دیں۔ ساری زندگی احسان مند رہوں گا۔ میں بہت دور سے آیا ہوں۔ ایک پیغام دینا چاہتا ہوں لیکن خود نہیں دے سکتا۔ تم میرا یہ کام کر دو تو میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تم تصور نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ میر چاکر خان نے بھی کبھی اتنی سخاوت نہیں کی ہو گی۔ میں لاشاری قبیلے کا سردار ہوں اور کل تم میرے دربار آجانا۔

میر چاکر خان :۔ اچھا تم اتنے امیر ہو۔ یہ بتاؤ کہ پیغام کیا ہے؟ اور کسے دینا ہے لیکن تم مجھے اپنے دربار میں کل ہزاروں لوگوں میں پہچانو گے کیسے ؟

گوہرام لاشاری :۔ جب میں سب فقیروں کو روپے دے رہا ہوں گا تو تم بھی قطار بنا کر کھڑے ہو جانا جب تمہاری باری آئے تو چپکے سے میرے ہاتھ کی چھوٹی انگلی کو دبا دینا میں سمجھ جاؤں گا کہ تم ہی وہ فقیر ہو۔

میر چاکر خان : پیغام کیا ہے اے امیر آدمی ۔

گوہرام لاشاری :۔ (سرگوشی کرتے ہوئے) سنو تم کسی طرح سے میر چاکر خان کی بہن "بانڑی" کے پاس جاؤ اور اسے میرا پیغام دو کہ کچھی کے پاس گندھاوا قلعہ سے گوہرام آیا ہے وہ تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔

میر چاکر خان :۔ (لرز کر غصے سے ہاتھ میں عصا تھامے کانپتے ہیں)۔

گوہرام :۔ ملنگ بابا اس بات کی ہوا بھی میر چاکر خان کو مل گئی تو میرے ساتھ تمہارا سر بھی جائے گا۔ وہ بہت سنگدل ہے دشمن سے اتنی رعایت ہرگز نہیں کرے گا۔ تیس برس کی جنگ اور چپقلش کوئی معمولی بات نہیں ۔

میر چاکر خان :۔ (معنی خیز انداز میں) میں تمہارا کام ضرور کروں گا۔ لیکن بہادروں کی طرح اسی جگہ ٹھہرے رہنا اس جگہ۔

(لڑکھڑاتا ہوا چلتا ہے ۔

دور قلعے کے کمرے کے ایک بلند دریچے میں بانڑی کھڑی باہر جھانک رہی ہے کہ ملازمہ گھبرائے انداز میں اندر داخل ہوتی ہے اور چلا کر کہتی ہے ۔غضب ہو گیا ہے مالکہ! غضب ہو گیا ہے۔

بانڑی ۔ ہاتھ میں پکڑے بلوچی رومال کو انگلی میں موڑتے کہتی ہے ۔ تجھے

کالی زبان کی مار پڑے۔ ہر وقت بدحواسی میں دوڑتی پھرتی ہے۔ کیا بات ہے؟

ملازمہ :۔ اے میر چاکر کی بہادر بہن بات ہی غضب ناک ہے میں تو ابھی تک تھر تھر کانپ رہی ہوں لگتا ہے کہ ابھی دم نکل جانے کو تھا اور میں کبوتر کی طرح تڑپ کر جان دے دوں گی۔

بانڑی :۔ ہنس کر معلوم ہوتا ہے کہ تو آج پھر آنگن میں چکوروں کا جوڑا اور دیوار پر بھیڑیئے کی کھال لٹکا نا بھول گئی ہے۔ کسی آسیب کا ڈر ہے یا جادو تعویز کا۔

ملازمہ :۔ حلق خشک ہو رہا ہے میں کیسے بتاؤں کہ پل بھر میں قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

بانڑی :۔ غصہ سے صاف صاف کہو کیا بات ہے کیا لاشاری قبیلے نے ہمارے رندوں کو پھر للکارا ہے۔

ملازمہ :۔ اس سے بڑی بات معلوم ہوتی ہے مالکہ گوہرام لاشاری میر چاکر خان سے بات کر رہا ہے۔ پیغام آپ کے نام ہے۔ وہ سردار اعظم کو نہیں پہچان سکا ہے کیونکہ وہ فقیروں کے بھیس میں ہیں

بانڑی :۔ خوفزدہ ہو جاتی ہے اور ہاتھ سے رومال گر جاتا ہے۔

ملازمہ :۔ مالکہ کو کھڑکی کے قریب لاتے وہ دیکھو میر چاکر گوہرام سے بات کر کے واپس آ رہا ہے۔ اب یقیناً گوہرام لاشاری زندہ نہیں بچے گا۔

بانڑی :۔ (اپنے خیال میں، اور یہ بات لاشاری اور رند قبیلے میں جنگ کی ہولناک تباہ کاریوں کی بنیاد بنے گی (پھر جلدی سے)

سنو تم فوراً یہ لنگی سر پر باندھ لو اور گھوڑے پر سوار ہو کر جاؤ اور گوہرام سے کہو کہ فوراً یہاں سے چلا جائے ورنہ وہ بے چینی سے ہاتھوں کو ملتی ہے اس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

ملازمہ :۔ پل بھر میں تیار ہو کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتی ہے اور گوہرام کے پاس پہنچ کر پھولی سانس سے کہتی ہے۔

اے گوہرام لاشاری جان چاہتے ہو تو نکل جاؤ ورنہ ایسا ارمان لگے گا کہ بستیاں نیست و نابود ہو جائیں گی۔

گوہرام :۔ تم کون ہو نوجوان ؟

ملازمہ :۔ مَیں بانڑی کی ملازمہ ہوں اور بس فقیر سے تم باتیں کر رہے تھے۔ وہ ملنگ نہیں۔ میر چاکر خان تھا۔ وہ ابھی تمہارا پیغام لے کر یہاں سے گیا ہے لیکن وہ تمہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ تمہارے ناخن کو لوہے کے زنبور سے کھنچوائے گا۔ تمہاری آنکھیں اپنی تلوار کی نوک سے نکال کر باہر پھینک دے گا۔

گوہرام :۔ بغیر کچھ کہے خاموشی سے سرپٹ واپس گھوڑا دوڑا دیتا ہے۔ اور دھول اڑتی نظر آتی ہے۔

(فلیش بیک کا اختتام، میر چاکر داستان سنا چکا ہے)

بی برک کا چہرہ اور گوہرام لاشاری کی جرأت پر تمتما اٹھتا ہے۔

میر چاکر :۔ اور پھر جب میں واپس آیا تو گوہرام واپس جا چکا تھا۔ نہ معلوم کیوں غالباً اسے خطرہ محسوس ہو گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

بی برک :۔ ماموں مجھے قسم ہے۔ اس تلوار کی کہ گوہرام ہمارے علاقے میں صرف ایک پل کے لئے میری خالہ سے بات کرنے آیا تھا۔ میں پورا ایک ہفتہ اس کے محل میں گزار کر آؤں گا۔

میر چاکر :۔ اے جوان تجھے معلوم نہیں کہ وہ طاقت ور سردار بھی ہے۔

برک :۔ سب سے بڑی طاقت خدا کی ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتا ہے۔ (بی برک نے کندھے پر تیر کمان بھی رکھے ہیں۔)

میر چاکر خان :۔ خدا تیرا نگہبان۔

بی برک :۔ بغیر رکے سید ھا رات کے وقت گذرتا ہوا پہنچتا ہے اور زنانہ
زنان خانے کی طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسی اثنا میں ...
کی نوجوان خوبصورت بیٹی ملی گزرتی ہے اور اسے دیکھ کر ...
لگتی ہے۔

بی برک :۔ خاموش رہو۔ میں اس وقت تمہاری حفاظت میں ہوں ...
"ملی" کے پاس جانا ہے۔ سردار گوہرام لاشاری کی بیٹی ...

ملی :۔ (اپنا نام سن کر حیران ہوتی ہے اور پھر کہتی ہے تم ملی کو کیسے
جانتے ہو۔

بی برک :۔ وہ بے حد حسین ہے (تمہاری طرح) اور بڑی دردمند بھی ...
تصورات میں اس کا نام رچا لیا ہے۔ میں صرف اسے دیکھنے
آرزو میں یہاں آیا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ گوہرام لاشاری کو
آمد کا پتہ چلا تو وہ اپنے دشمن کو زندہ نہیں جانے دے گا۔ پھر ...
سے لڑکی کیا ہوگا؟ ——— دو قبیلوں کے خون کا تصادم
ہوگا۔ میر چاکر خان سردار اعظم میرا بدلہ لینے کے لئے لاشاری ...
کے خون کی ندیاں بہا دیں گے۔

ملی :۔ (کے چہرے پر خوف کے آثار) آؤ میرے ساتھ۔ وہ اسے ...
منزل والے اپنے کمرے میں لے جاتی ہے۔

یہ گوہرام لاشاری کی بیٹی ملی کا ذاتی کمرہ ہے۔ کمرہ خوبصورت ...
میں سجا ہوا ہے اور کمرہ میں بلوچ سرداروں کی بڑی بڑی تصویر
آویزاں ہیں۔ درمیان میں گوہرام لاشاری کی تصویر بھی لگی ہے۔
ملی اسے چند ثانیے غور سے دیکھتی ہے۔ اس کے چہرے کے تاثر
بتاتے ہیں کہ اسے اس نوجوان نے متاثر کیا ہے۔ وہ اسے دیکھ کر
کہتی ہے۔ میں نے شاید تمہیں پہلے کہیں دیکھا ہے۔

ر گوہرام :- ہاں . . . مجھے بھی محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری صورت میری آنکھوں میں رچی بسی سی ہے۔

لی :- نوجوان بڑی باتیں کر رہے ہو۔ جانتے ہو کہ میں کون ہوں . . . میں سردار گوہرام کی بیٹی ہوں۔ تم اس وقت اپنے دشمن کی قید میں ہو

بی برک :- (مسکرا کر) مجھے اس انکشاف پر اچنبھا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ گوہرام کی بیٹی حسین ہے۔ تمہارے چہرے کے خدوخال میرے اشعار کی زینت ہیں۔ میرے تصوّراتی اشعاروں نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔ میرا تخیل یقیناً حسین ہے۔

لی :- (ذرا غصے سے) خاموش رہو ——— تمہاری یہ جرأت تمہیں موت کے منہ میں باآسانی لے جا سکتی ہے۔ میں نے انسانی ہمدردی اور قبیلے کو کشت و خون سے بچانے کے لئے صرف چند گھنٹوں کے لئے تمہیں پناہ دی ہے۔ اس کے بعد تمہیں یہاں سے میں خود لے جاؤں گی اور تمہارے علاقے میں چھوڑ دوں گی۔

ی برک :- (جذباتی انداز میں) اے ساحرہ تو اگر مجھے جانے کیلئے کہے گی بھی تو میں اب نہیں جاؤں گا ——— سوچتا ہوں کہ اچھا ہے اس در پر تمہارے سامنے میرے خون سے یہ کمرہ لالہ زار ہو جائے اور تم میرے جذبے کی قدر کرنا سیکھو۔

ی :- (طنزیہ انداز میں) لگتا ہے کہ تمہارے قبیلے کے بہادر نوجوان بی برک نے تمہارے منہ میں اپنی زبان رکھ دی ہے۔ اب ہر شخص اس کے انداز میں باتیں کرتا ہے۔ اپنے انجام سے بے خبر ——— چند گھنٹوں بعد کیا ہوگا۔ یہ میں ہی جانتی ہوں۔ لاشاری جوان تمہارے اندازے سے کہیں زیادہ ہیں۔

رک :- اے دوشیزہ گنہ حاوا ——— تو بی برک کے معاملے میں اتنا

جانتی ہے تو اس کے ٹھکانے کا پتہ بھی بتا دے۔

ملی :- ہاں اس کے اشعار - اس کا انداز - اس کی گفتگو اور اس کی بہادری کے چرچے عام ہیں۔ وہ بہادری میں یکتا ہے۔ اپنا سر نیزے پر رکھتا ہے۔ وہ حسن میں لاجواب ہے۔ چاند کو مات کرتا ہے اس کے خیالات پاکیزہ ہیں۔ اس کی شاعری اس کے تخیل کا حصہ ہے۔ اس کی گفتگو اکثر لڑکیوں کے درمیان رہتی ہے میں سوچتی ہوں کہ میں اسے قریب سے دیکھوں —— کہ وہ کیا ہے؟

بی برک :- (اچانک اس کے شانوں کو پکڑ کر اپنی طرف کرتے ہوئے) تو دیکھ اور غور سے دیکھ لے کیونکہ یہ صورت اب اپنے دشمنوں کے نرغے میں ہے۔

ملی :- (حیرت زدہ، یک ٹک اسے گھورتی ہے —— اور ہکلا کر کہتی ہے تو . . . . تو . . . . واقعی بی برک ہے۔ غور سے دیکھتی ہے اس کے چہرے کے نقوش . . . پھر آہستہ سے کہتی ہے ہاں —— ہاں . . . تو ہی بی برک ہے پھر رنجیدہ سی ہو کر) تو نے اچھا نہیں کیا ہے بی برک . . . تو اپنی جوانی کو کیوں ضائع کرنے پر تلا ہے۔

بی برک :- اطمینان کا سانس ہی ابھی لیا ہے —— سنو "ملی" تمہارا باپ رات کے اندھیرے میں ہمارے علاقے میں آیا اور ہماری اطلاع پا کر فرار ہو گیا۔ لیکن میں اس کی طرح چھپ کر نہیں جاؤں گا۔ میں یہاں سے دن کے اجالے میں نکلوں گا۔ بہادروں کی طرح۔

ملی :- مجھے تمہاری جوانی اور صورت پر ترس آ رہا ہے۔ جب دن کا اجالا ہو گا لاشاری جوان تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

بی برک :- مجھے موت کی پرواہ نہیں - تیرے یہاں میں دو دن مہمان رہوں گا

گا۔

ملی :۔ اچھا تو اس کمرے میں چھپ جا میں دروازہ بند کر لوں گی۔

بی برک :۔ لیکن پھر تم بھی باہر نہیں جا سکو گی۔ کمرے کو بند کر دیتا ہے اور باہر کی طرف کھلنے والا دریچہ کھول دیتا ہے۔ ملی خوفزدہ ہو کر کونے میں بیٹھ جاتی ہے کہ اس کے لئے کھانا لایا جاتا ہے۔ دروازہ کھولنے کو کہا جاتا ہے وہ اندر سے ہی آواز دیتی ہے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ ملی بہر حال بی برک کی جان بچانا چاہتی ہے

بی برک :۔ جاؤ ملی اگر تم جانا چاہتی ہو۔

ملی :۔ بی برک میرا ایک قدم بھی باہر نکلا تو سب کو تمہاری اطلاع ہو جائے گی۔ اسی اثنا میں شوروغل ہوتا ہے۔ دروازے کے باہر چہ میگوئیاں سنائی دیتی ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے کہ سردار گزہرام لاشاری آرہے ہیں۔ لیکن ملی دروازہ نہیں کھول رہی ہے سمجھ نہ آئے کیا بات ہے پھر وہ زور سے آواز دیتے ہیں۔

ایک نوجوان :۔ ملی دروازہ کھول وہ کونسی آفت تجھ پر آن پڑی ہے کہ تو خاموش ہے۔ جواب دے۔

بی برک :۔ اندر کمرے سے آواز دیتا ہے جب کہ ملی اسے روکنے کی کوشش بھی کرتی ہے۔ بی برک کہتا ہے کہ اے جوان کہہ دے گزہرام لاشاری سے کہ بی برک اپنی خالہ بانڑی کا بدلہ چکانے آیا ہے اور تمہاری طرح رات کے اندھیرے میں واپس نہیں جائے گا وہ بزدل نہیں ہے۔ صبح ہونے کے آثار نمایاں ہیں۔ پہاڑوں کی اوٹ سے سورج کی کرنیں کھلے دریچے پڑ رہی ہیں۔ پل بھر میں پورے شہر کو معلوم ہو گیا ہے کہ بی برک گزہرام کے محل میں موجود ہے لاشاری جوان جوق در جوق تلواریں اور تیر کمان لئے

گھروں سے نکل نکل کر محل کے سامنے جمع ہو رہے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ بی برک کی زندگی چند گھنٹوں کی مہمان ہے ہر جوان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا ہے —— اُن کا بس چلتا تو وہ پل بھر میں محل کی بلند و بالا دیواروں کو ریت کی دیواروں کی طرح گرا کر بی برک کو نکال باہر کریں۔ اودھر کمرے میں مل بے حد خوفزدہ ہے اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں جب کہ بی برک کے چہرے پر اطمینان ہے۔ وہ دریچے کی طرف آتا ہے اور نیچے جھانکتا ہے تو ہزاروں لاشاری تیر کا نشانہ لیئے کھڑے ہیں۔ درمیان میں گوہرام بھی موجود ہے۔

ایک جوان :۔ (بلند آواز سے) بی برک تم ہمارے نرغے میں ہو خاموشی سے نیچے اترآؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردو۔

بی برک :۔ (بلند آواز سے) نہیں ہرگز نہیں۔ میرے پاس سو تیر ہیں میں سو لاشاریوں کو ماروں گا پھر اپنا سر دوں گا۔

ایک لاشاری جوان :۔ (سردار گوہرام سے) سردار اب صبر کرنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ ہم آپ کے اشارے کے منتظر ہیں۔ ہم طوفان کی طرح اندر داخل ہو کر تیروں کی بوچھاڑ کردیں گے۔

ایک دوسرا جوان :۔ سنا ہے کہ بی برک کا نشان کبھی خطا نہیں جاتا۔ یقیناً اس کے پاس سو تیر ہیں اور سو ہی جوان کام آئیں گے۔

پہلا جوان :۔ ہم اپنے سو جوانوں کے سروں کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔

سردار گوہرام :۔ ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے نہیں جوانو! نہیں میں ایسا نہیں چاہوں گا۔ اس وقت مصلحت سے کام لینا ہوگا۔

ایک لاشاری جوان :۔ سنا ہے کہ گندھاوا کے ایک امیر لاشاری کا چرواہا پرچ رند ہے اور وہ چونکہ بی برک کا ہم وطن ہے اسے بلوا کر لاتے ہیں

اور رہ بی برک کو اس انداز میں قابو کرے گا کہ ہمارا جانی نقصان نہ ہو۔

سردار گوہرام :۔ بالکل درست کہا تم نے فوراً جاؤ اور اس چرواہے کو یہاں لے آؤ۔

چرواہا بی برک کے کچھ اشعار گنگنا کر بھیڑیں چرا رہا ہے کہ اسے سرپٹ گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آتی ہے۔ وہ چونک کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ گھوڑے اس کے قریب رک جاتے ہیں۔ ایک لاشاری جوان گھوڑے سے اتر کر آتا ہے اور بغور اس کا جائزہ لیتا ہے۔

چرواہا :۔ کیا دیکھ رہے ہو جوان۔

لاشاری جوان :۔ تم پوچ رند ہو نا

چرواہا :۔ لیکن میری شناخت کی ضرورت کیسے پیش آگئی ہے۔ کیا پوچ رند قبیلے کی کسی بات کا بدلہ لیا جائے گا۔

لاشاری جوان :۔ (ہنس کر) نہیں ——— نہیں یہ بات نہیں ہے۔ آج تمہاری ضرورت پیش آگئی ہے۔

چرواہا :۔ بیٹھو جوان۔ میں بھیڑ کا دودھ لے کر آتا ہوں۔

لاشاری جوان :۔ (اسے روکتے ہوئے) نہیں ! نہیں تکلیف کی ضرورت نہیں ہے بات ہی ایسی ہے کہ اس میں دیر مناسب نہیں۔

چرواہا :۔ آپ پریشان نظر آتے ہیں۔ خیر تو ہے نا۔

لاشاری :۔ (گہری سانس لے کر) ہاں پریشانی کی بات ہی ہے۔ تمہاری تلاش بھی بڑی مشکل سے کی ہے۔

چرواہا :۔ میرا تو یہاں کوئی عزیز بھی ایسا نہیں ہے جو میری پرواہ کرے آپ کو میری کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

لاشاری :۔ اس وقت سردار گوہرام لاشاری مشکل میں مبتلا ہیں اور معاملہ

ان کی پیاری بیٹی ملی کا آن پڑا ہے۔

چرواہا :۔ چلیئے راستے میں باتیں کرتے چلتے ہیں وہ رہا میرا گھر۔

لاشاری :۔ (گھوڑے کی لگام تھام کر پیدل چلتے ہوئے)

چرواہا :۔ خدا خیر کرے سردار گوارام کی بیٹی ملی کو کیا ہوا ہے۔ خدا اسے دکھ نہ دے۔ سنا ہے کہ بڑی ذہین لڑکی ہے۔

لاشاری جوان :۔ ہاں یہ دکھ دوسرے روز کا ہے اگر ہمارا بس چلے اور سردار کی اجازت ہو تو ہم اس دکھ کو تلوار کے ایک ہی وار سے دور کردیں (دانت پیستے ہوئے) لیکن افسوس کہ ۔ ۔ ۔ کہ ۔ ۔ سردار نہیں مانتا ۔ ۔ ۔ ۔ سنو چرواہے تم فوراً تیاری کرلو تمہیں ہمارے ساتھ ابھی اور اسی وقت قلعہ میں جانا ہے۔

چرواہا :۔ (حیرانی سے) میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا ہوں۔ جوان تم مجھے کیوں لے جانا چاہتے ہو۔ میں بھلا ملی کے دکھ درد کو کیا رفع کروں گا۔

لاشاری جوان :۔ تمہیں اپنی حکمت عملی سے کام لینا ہوگا اور تمہاری اسی حکمت عملی سے بگڑا کام بن جائے گا۔

(دونوں گھر کے قریب آگئے ہیں۔ باہر چارپائی بچھی ہے اور درخت کے نیچے ایک جوان لڑکا خوبصورت لے میں بنسری بجا رہا ہے اور ایک بلوچ عورت مشکیزے سے پانی ڈال رہی ہے۔ ان دونوں کو آتا دیکھ کر وہ اندر چلی جاتی ہے)

چرواہا :۔ (بنسری والے نوجوان کی طرف اشارہ کرکے کہتا ہے) یہ میرا بیٹا ہے۔ ذہنی طور پر کمزور ہے اور ہکلاتا بھی ہے ہر وقت بنسری کی لے میں بی برک کے اشعار گنگناتا ہے۔ ان کے آنے کی آہٹ پا کر وہ بنسری چھوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے باپ سے کہتا ہے

لڑکا :۔ با . . . . . . با . . . . . . بابا . . . . . بی برک . . . .
تیزی سے آیا۔ یوں اشارے سے ہاتھ بڑھاتا ہے اور پھر
بی برک کے گھوڑے کی نقل اتارتا پہاڑوں کی طرف دوڑ
جاتا ہے۔

لاشاری جوان :۔ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے بی برک کی شاعری کا جادو یہاں بھی بول
رہا ہے۔

چرواہا :۔ (کھوئے ہوئے انداز میں) ہاں ——— نوجوان . . . . وہ
واقعی بے مثال ہے۔ کبھی تم . . . . . نے اس کا چہرہ قریب
سے دیکھا ہے۔ کبھی تم نے اس کے دل میں کھب جانے والے
شعر سنے ہیں۔ وہ ایک عظیم ہستی ہے۔

لاشاری جوان :۔ (طنزیہ انداز) میں ہاں بابا ——— وہ چہرہ اس وقت
ہزاروں لاشاریوں کی تیروں کی زد میں ہے۔ ہزاروں برہنہ
تلواریں میانوں سے نکلیں دھوپ میں چمک رہی ہیں)۔

چرواہا :۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہو . . . . کیا ——— کیا ——— بی برک
گڈھاوا میں ہے ——— وہ . . . . وہ قید ہے۔

لاشاری جوان :۔ اس نے اپنے آپ کو خود قید کروایا ہے۔ وہ سردار گوہرام ... ری
کے محل میں ملی کے کمرے میں ہے اور تیر کا نشانہ لئے کھڑا ہے

چرواہا :۔ (گہری سانس لے کر) اوہ میرے خدا یہ کیا ہو گیا ہے۔ سنو جوان
اس کے پاس یقیناً تھوڑے تیر ہوں گے اور یقین جانو اس کا نشان
اتنا پکا ہے کہ وہ اس میں سے ایک تیر بھی ضائع نہیں کریگا
اور پھر تھوڑے لاشاریوں کی جان لینے کے بعد اپنا سر دے گا۔

لاشاری جوان :۔ ہاں اس بات کا اندازہ سب کو ہے اور سردار چاہتے ہیں کہ
یہ معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا جائے کشت و خون نہ ہو وہ بھی

ڈال لی کے ساتھ ساتھ اپنے نظر ساتھیوں کی بھی جان بچانا

چاہیے تھا ۔

چرواہا :- تو چپو میں جا کر کوئی تدبیر سوچتا ہوں ۔

پہلا نوجوان :- تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا جاتا ہے

اودھر گندھاوا قلعہ کے اوپر بی برگ بہادر زنجیروں میں جکڑا ہے اور بلی کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بہہ رہے ہیں گویا رہی ہے ۔ اے بی برگ تجھے یہ جوانی اور بہادری زندہ رکھنے کی دن کے لیے عطا کی تھی کہ تو جان بوجھ کر اسے موت کے سپرد کر دے ۔ تیرا یہ حسن اسی دن کے لیے تھا کہ تو لاکھوں دوشیزاؤں کے دلوں میں گھر کر کے انہیں اپنی موت کا ایسا صدمہ دے جو کہ ان کے دلوں پر گہرا زخم بن جائے اور بی برگ بلی کے جواب میں اسے کہتا ہے ۔ اے دوشیزہ گندھاوا غم نہ کر میرا حسن، میری بہادری، میری موت پر ماتم نہیں کرے گی ۔ مجھے فخر ہوگا کہ اگر میں بہادری کی موت مارا جاؤں گا لیکن میں اکیلا نہیں جاؤں گا ۔ اپنے ساتھ سو سر اور بھی لیکر مروں گا ۔ اسی اثنا میں

کاغذ کا بہت بڑا مائیک ہے اور اعلان کی آواز آتی ہے ۔

بی برگ سنو تمہارے قبیلے کا جوان آیا ہے اس کی بات غور سے سنو ۔

چرواہا :- سامنے آتا ہے اور بلند آواز سے کہتا ہے ۔ اے بی برگ میں تجھ سے بات کرنا چاہتا ہوں ۔ پھر جواب کا انتظار کیے بغیر گو برام اشارہ سے کہتا ہے ۔ اے سردار ۔ یہ وہ بہادر ہے جس کے تیر کا شکار آدمی کبھی نہیں بچتا ۔ وہ ماہر نشانہ باز

سردار گوہرام :۔ مجھے اس نوجوان کی تیر اندازی کا اندازہ نہیں ہے۔
چپرواہا :۔ مجھے سو تیر منگوا دیجئے۔ میں بی برک کے پاس جاتا ہوں اور آپ کو اس کی تیر اندازی کا کمال بھی بتاؤں گا۔
سردار گوہرام :۔ فوراً تیر منگوا کر اس کے حوالے کرتا ہے۔
چپرواہا :۔ ایک تیر کافی فاصلے پر رکھ کر بلند آواز سے کہتا ہے۔ اے بی برک اپنے نشانے کا امتحان دے اور اس تیر کو اپنے تیر سے نشانہ بنا
بی برک :۔ چند لمحوں بعد بی برک کا تیر زمین پر پڑے تیر میں سوراخ کر دیتا ہے سب لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ بی برک زور سے آواز دیتا ہے اے گوارام اب ایک تیر کم ہوا۔ ۹۹ آدمی تیرے ماروں گا۔ اگر میری قوم کے آدمی اوپر آجا۔ اس بات کے دوران بی برک کو قابو کرنے کے لئے چپرواہا بھی اوپر کی منزل پر آجاتا ہے اور بی برک کے قدموں میں تیروں کا ڈھیر کر کے گوہرام کو پکارتا ہے۔
چپرواہا :۔ اے سردار اب ۹۹ آدمی مارے جائیں گے۔ سو تیر میرے بھی شامل ہیں۔
گوہرام :۔ وعدہ خلاف اب تیری موت بھی آئے گی۔
چپرواہا :۔ پرواہ نہیں سردار بی برک ہمارا سردار ہے اس کے لئے میرا سر بھی قربان اب وہ آدمی تیر لئے کھڑے ہیں کہ اسی اثنا میں میر چاکر خان کو ایک آدمی اطلاع دیتا ہے کہ بی برک قید ہو گیا ہے۔ میر چاکر خان اسی وقت دربار میں ہے کہ اسے اس سانحہ کی اطلاع ملتی ہے۔
میر چاکر خان :۔ اسی لمحے کہتا ہے بے شک بی برک تو نے وہ کام کر دکھایا۔ جس کا وعدہ کر کے گیا تھا پھر وہ بلند آواز سے کہتا ہے۔ سنو لوچ رند کے جوانو! گندھاوا پر ٹرسٹ پڑو اور وہاں چلنے کی تیاریاں

کرو۔

(جنگ کا ساز و شور و غل)

گھوڑے کی ٹاپوں کی آوازیں۔

میر چاکر خان کا پچاس ہزار کا لشکر کھڑا ہے۔ سامنے گندہ
قلعہ نظر آرہا ہے کہ پیغام رساں جو میر چاکر خان کا پیغام لے
سردار گواہرام کے پاس گیا تھا۔ واپس آتا ہے۔ اس کا چہرہ گرد
اٹا ہے۔ گھوڑے سے اتر کر کہتا ہے۔

پیغام رساں :۔ اے سردار اعظم گواہرام لاشاری کو میں نے آپ کا پیغام دیا
کہ وہ بی برک کا خون بہا لے لے اور اسے چھوڑ دے جو جاب
گے مگر۔ ۔ ۔ (رک جاتا ہے)۔

میر چاکر خان :۔ (تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر) مگر کیا۔ ۔ ۔ جلدی بو

پیغام رساں :۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے آپ کی شرط منظور ہے لیکن میں خون بہا
طور پر مورہ کا سارا پانی لوں گا تو چھوڑوں گا یہ
پانی ہے جس کی چوڑائی زیادہ ہے وہ جھل مگسی، مل دشت
زمینوں کو نہ صرف سیراب کرتا ہے بلکہ پینے کا پانی بھی بہا

چاکر خان :۔ (غصے سے) نہیں ہرگز نہیں۔ پانی دے کر اپنے جوانوں
کھیتوں کو نامراد نہیں کر سکتا۔ یہ اتنی بڑی قیمت ہے
میں ادا نہیں کر سکتا۔ جاؤ اور اسے کہہ دو کہ وہ جھلاوا
لے۔ سارے ریوڑ لے لے لیکن اسے پانی نہیں ملے گا
(غصے سے) یہ پیغام ابھی لے جاؤ۔ ورنہ ہم جنگ پر
جائیں گے

ادھر سردار گوہرام کچھ سوچ رہا ہے اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے ہیں کہ اسے بی برک کی بہادری نے متاثر کیا ہے۔ وہ سرگوشی کرتے اپنے سرداروں سے کچھ کہتا ہے جو اقرار میں سر ہلاتے کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ بہر حال ہم آپ کے ساتھ ہیں تبھی گوہرام بی برک کے سامنے آجاتا ہے۔ بی برک اسے اپنے نشانے کی زد میں لے لیتا ہے اور ملی اسے روکنے کی کوشش کرتی ہے۔

سردار گوہرام :۔ سنو بی برک سامنے آجاؤ۔

بی برک :۔ میں سامنے ہوں سردار رات کے اندھیرے میں چھپ کر فرار نہیں ہو رہا ہوں۔ میرے دو دن اس قلعے میں پورے ہو چکے ہیں۔ اب میں واپسی کی تیاری کروں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

سردار گوہرام :۔ لیکن تمہیں ایسا نہیں کرنا پڑے گا اور قریب آتا ہے۔

بی برک :۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا سردار۔ یہ نہ بھولو کہ تمہاری عزت "ملی" میرے قبضہ میں ہے۔

سردار گوہرام :۔ بلاشبہ میری عزت اب تمہاری عزت ہے اور تمہیں اپنی عزت کی حفاظت کرنی ہوگی ۔ ۔ ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملی خوش قسمت ہے اسے تم جیسا بہادر جوان بحیثیت شوہر کے مل جائے گا۔ میں تمہیں اپنا بیٹا بناتا ہوں اور ملی سے تمہاری شادی ابھی اور اسی وقت کرتا ہوں ۔ ۔ ۔

بی برک :۔ (کے چہرے پر خوشی کے آثار، اس کا تیر کمان جھک جاتا ہے جب کہ ملی مارے شرم کے اپنا چہرہ چادر میں چھپا لیتی ہے

بی برک :۔ (اس کے قریب آکر) مجھے یقین تھا کہ گندھارا کا یہ جاذب ملی، سبی اور روشت کی وادیوں میں چمکے گا ۔ ۔ ۔ میری حسرت

پوری ہوئی ملی۔

وہ خاموش رہتی ہے۔

(اسی وقت شادی کی چند ضروری رسمیں جن میں نکاح شامل ہے ہوتی ہیں ——— گوہرام لاشاری اور نی برک گلے مل جاتے ہیں۔ قلعے کا دروازہ کھلتا ہے تو میر چاکر خان کے ہزار اپنے تنے کمان کو جھکا لیتے ہیں۔ کیونکہ قلعہ سے شہنائی اور ڈھول کے ساتھ نی برک دولہا بنا دلہن کو لا رہا ہوتا ہے خوشی کا عجیب سماں برپا ہوتا ہے۔ جنگ کے سامان کی جگہ بلوچی چاپ ڈالے جاتے ہیں اور میر چاکر خان اور سردار گوہرام فاصلے پر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں اور یوں پچاس ہزار رندوں کا جنگی دستہ ڈھول اور شہنائی کے ساتھ دلہن کو لے جا رہا ہوتا ہے۔)

اونٹ۔ گھوڑے پہاڑ کے آخری سروں پر جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب کہ گوہرام ملی کی صورت کو یاد کر کے آنکھیں نم کر لیتا ہے۔ اسے ملی کی رخصتی کا منظر یاد آتا ہے جب وہ باپ کے کندھے پر سر رکھ کر بیہوش ہو جاتی ہے اور وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے قلعے سے باہر چھوڑ آتا ہے۔

شہزادی
گراں ناز

روایت ہے کہ بی برک نہایت اعلیٰ پوشاک زیب تن کرتا اس کی
پگڑی کی قیمت اتنی ہوتی کہ اس سے ایک اعلیٰ نسل کا بہترین گھوڑا
خریدا جا سکتا تھا۔ وہ اپنی پوشاک خریدنے افغانستان کے شہر ہرات جاتا
صبح جاتا اور رود پھر واپس آجاتا۔ ڈیڑھ سو میل کا فاصلہ دشت کا میدان
اس کا پھرتیلا گھوڑا اس رفتار سے طے کرتا کہ اسے سارے راستے پیاس محسوس
نہ ہوتی۔ وہ اپنے گھوڑے کو بجائے گھاس کھلانے کے گوشت کھلاتا۔ یہ
ان دنوں کا واقعہ ہے۔ جب شہنشاہ بابر نے ہندوستان کو فتح نہیں
کیا تھا اور فرغانہ میں مقیم تھا اور یہاں ہی اپنی فوجوں کو ہندوستان پر حملے
کے لیے تیار کر رہا تھا۔ جس زمانے میں بی برک اپنی پوشاک خریدنے
کو جاتا تو ہرات کا بادشاہ شاہ حسین تھا جبکہ قندھار کا گورنر شجاع ابن
ذوالنون ارغون تھا اور بہت بہادر عقلمند اور طاقتور گورنر سمجھا جاتا تھا۔

شجاع الدین ارغون کی ایک بیٹی شہزادی گراں ناز تھی جس کے حسن کے چرچے

عام تھے۔ سرخ و سفید رنگت پر کنول ایسی بادامی آنکھیں اس پر اس کا نام و

ناز کہ جو اس پر کیا جاتا۔ اس کے بالوں کی خوبصورتی کی مثال نہیں ملتی اس

کے سر کے کالے سیاہ بال اس کے اپنے قد سے بھی ایک فٹ زیادہ لمبے

تھے وہ جب بال سنوارنے کے لئے کھولتی تو چار کنیزیں اس کے بالوں کو

سنبھال کر ریشمی دھاگوں اور سچے گوٹے اور موتیوں سے گوندھتی تھیں۔ قندھار

کے حاکم ارغون کا رہائشی قلعہ اس راستے پر واقع تھا جہاں سے اکثر اوقات

بی برک گزرتا۔ وہ جب بھی ہرات آتا تو قندھار سے انگوٹھیوں کے

نایاب نگینے ضرور خریدتا اور گھوڑے پر سوار اس کا گزر اس قلعہ کے نیچے سے ہوتا

شہزادی گراں ناز کو اس پراسرار شخص (بی برک) کا اکثر انتظار رہتا تھا۔ اس

نے غیر ارادی طور پر اسے گزرتے دیکھ لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس سے محبت کرنے لگ

گئی تھی۔ اسی اثنا میں بی برک کو ضرورت محسوس ہوئی کہ نئی پوشاک اور نگینے حاصل

کئے جائیں۔ وہ ملی (بیوی) کے پاس آیا اور کہا کہ

بی برک :۔ ملی۔ میں جا رہا ہوں۔ بولو تمہارے لئے قندھار سے کیا لے

کر آؤں۔

ملی :۔ (مسکرا کر) اے بی برک تو اپنے آپ کو زلفوں کی قید سے

بچا کر لے آنا۔ سنا ہے کہ شہزادی گراں ناز بہت خوبصورت

ہے۔

بی برک :۔ (سوچ کر) ہو سکتا ہے، مگر میں کہاں گراں ناز کہاں۔

ملی :۔ ہاں یاد رہے کہ مجھے تم نے کیسے پایا تھا۔

بی برک :۔ وہ بدلہ تھا "ملی" اور تمہیں اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ بی برک اپنے

دشمنوں سے بدلہ لینا خوب جانتا ہے۔

ملی :۔ ہاں جانتی ہوں لیکن پھر بھی میرے یہاں آنے کے باوجود

رند قبیلے اور لاشاری قبیلے کی چپقلش دور نہیں ہو گی

بی برک :- (ذرا غصہ سے) ہر وقت ان باتوں کو نہ دہرایا کرو بی
خدا حافظ یہ کہہ کر گھوڑے کو سرپٹ دشت کے میدان
طرف دوڑا دیتا ہے۔

دور سے اس کے انتظار میں کھڑی جاٹ لڑکی سدھو
اور بی برک کا راستہ روکے ہے۔ بی برک گھوڑا روک کر

بی برک :- سدھو کیا بات ہے راستہ کیوں روکے کھڑی ہو۔

سدھو :- جوار کی روٹی لائی ہوں۔

بی برک :- مجھے تو تیری دماغی حالت پر شک ہونے لگا ہے۔ ار
بھئی تو گزشتہ کئی سالوں سے ایسا ہی کیوں کر رہی ہے

سدھو :- اگر جوار کی روٹی نہ کھائی تو میں ٹلی کو دے دوں گی
کم از کم مجھے اتنی تسلی تو ہے کہ تو اس کے قریب ہے

بی برک :- ہاں اسے کھلا دے۔ یاد رکھ کہ میرا گھوڑا بھی یہ نہیں کھا
گا اگر اس نے اسے کھا لیا تو اس کی بھی سانس پھول جا
گی اور وہ دشت کے میدان میں پیاس کی شدت
تڑپ کر رہ جائے گا۔

سدھو :- میں تیرے گھوڑے کے لیے گوشت لائی ہوں۔ مجھے
ہر ادا کا معلوم ہے بی برک تو گھوڑے کو گوشت اس لئے
ہے کہ اسے پیاس نہ لگے۔ تیری طرح کوئی بھی اپنے گھوڑے
کی اس طرح رکھوالی نہیں کر سکتا۔

بی برک :- تو جاٹ لڑکی ہے لیکن زبان کی بڑی تیز اور باتیں خوب کر
ہے۔

سدھو :- زبان کی تیزی اور تلوار کی کاٹ ہر جوان کو تم نے سکھا

ہے بی برک! میں جا رہی ہوں تیرا راستہ نہیں روکوں گی۔
لیکن یاد رکھ دشت کے میدان میں ہمیشہ تیرا راستہ دیکھوں گی
کہ کہیں تیرے گھوڑے کو مارے تھکن کے پیاس نہ لگ جائے۔

بی برک :۔ بدستور گھوڑے پر سوار ہے (گھوڑے کو ایڑ لگا کر) فی امان اللہ
سدھو :۔ اداس لہجے میں فی امان اللہ۔ لیکن اس کا جواب بی برک نہیں سن سکتا۔ چلا جاتا ہے۔

بی برک کو ہرات کے بازار میں شاپنگ کرتے دکھایا جاتا ہے خوبصورت لنگی دکھائی جاتی ہے۔ ہیرے جواہرات جڑے ہوئے بنائی قمیص خریدتا ہے تو اسے دوکاندار بتاتا ہے۔ اے دشت کے شہزادے شہزادی گراں ناز کے شہر قندھار میں ان دنوں ایسے نایاب نگینے آئے ہوئے ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ وہاں کے امیروں کی قوت خرید سے زیادہ ہیں۔

بی برک :۔ مجھے بھی ایک ایسے ہی نگینے کی تلاش ہے جو میری انگوٹھی میں فٹ آجائے۔ کیونکہ اس کی مناسبت سے مجھے نگینہ نہیں مل رہا ہے۔

دکاندار :۔ تمہارا مقصد قندھار جا کر حل ہو جائے گا۔

بی برک گھوڑے پر سوار ہو کر قندھار کی طرف روانہ ہو جاتا ہے اس نے ریشمی کالی لنگی پہن رکھی ہے کمر سے چھتی ہوئی مرطے دامن کی قمیص اور کمخواب کی واسکٹ پہن رکھی ہے جس میں وہ بے حد حسین لگ رہا ہے۔ وہ قندھار میں داخل ہوتا ہے اور شہزادی گراں ناز کے قلعہ کے بالکل سامنے گھوڑے سے

پانی پینے کے لئے رکتا ہے ۔ پانی ... تیرے ہاتھوں ...
ہے اور پانی اس کے دونوں ہاتھ ... سے نکل جاتا
اتفاقاً شہزادی گراں ناز بھی اور ... سے ...
کھڑی ہے اسے دیکھ لیتی ہے ... جبھی شہزادی کے
حسن کو دیکھ کر بے خود ہو جاتا ہے اس کے ہاتھوں سے پانی
نکل جاتا ہے اور وہ دونوں ہاتھ کو ... سے کرتے ہوئے
رکھے اسے ٹک ٹک دیکھتا رہ جاتا ہے ۔ شہزادی کے
بال ہوا کی تیزی سے لہرا رہے ہوتے ہیں وہ بے خبر
ہیں اپنی ملازمہ سے کہتی ہے ۔

شہزادی گراں ناز :۔ (بے خودی کا) سنو خانم تم نہ صرف میری ملازمہ
بلکہ میری رازدار سہیلی بھی ہو۔ جاؤ اور جا کر معلوم کرو
یہ نوجوان کون ہے کہاں سے آیا ہے ۔ ہم نے ایسا جوان پہلے
نہیں دیکھا ۔ چال ڈھال سے لگتا ہے یہ اجنبی ہے ۔ اس کے
چہرے کی تمازت بتا رہی ہے کہ وہ کھلے آسمانوں تلے سورج
کی شعاعوں سے کھیلتا ہے ۔ اس کی مردانہ چال بتا رہی ہے
کہ یہ نہایت بہادر ہے اور پہاڑوں اور دریاؤں کو عبور
کرنا جانتا ہے ۔ اس کے چہرے کی شگفتگی ظاہر کرتی ہے
وہ حسن پرست ہے اور ہر اچھی چیز کی قدر کرنا خوب جانتا

خانم :۔ (شوخی سے) خیر تو ہے ۔ شہزادی آپ تو واقعی شاعرہ بن گئی
ہیں کس انداز میں نقشہ کھینچا ہے ۔ اس کے مردانہ جمال کو
وہ سن لے تو پاگل ہو جائے ۔

شہزادی :۔ ہاں ۔ تم نے ٹھیک کہا ہے ۔ خانم پتا نہیں کیوں اس نوجوان
کو دیکھ کر ہمارے جی میں میٹھا میٹھا سا درد ہونے لگتا ہے ۔

خانم :- شہزادی اگر اس درد کا احساس بھی شاہ ارغون آپ کے والد کو ہو گیا تو طوفان آ جائے گا اور یہ نوجوان یہاں سے زندہ واپس نہ جا سکے گا۔

شہزادی :- اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے ایسا نہ کہو خانم ہم اس نوجوان پر کوئی آفت نہیں آنے دیں گے۔ ہمیں معلوم نہیں کیونکہ یہ نوجوان ہمیں اجنبی نہیں لگتا۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ ہی ہمارے اشعاروں کا تصوراتی شہزادہ ہے۔ خانم وہ دیکھو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ تم فوراً اس کے پیچھے جاؤ اور اس سے کہو کہ شہزادی گراں ناز اسے ملنا چاہتی ہے۔

خانم :- نہ معلوم یہ کون ہے اور کیا جواب دے۔ مجھے تو خوف آ رہا ہے۔

شہزادی گراں ناز :- وہ کوئی بھی ہے لیکن ہمیں ملنا ضرور چاہیے گا۔ ہم نے اس کی آنکھوں میں اپنی محبت کی چمک دیکھی ہے۔ اس کی پیشانی پر جرأت بہادری کا نشان معلوم ہوتی ہے ——— جاؤ فوراً جاؤ ... وہ چلا جائے گا۔ لیکن ٹھہرو ——— تم زنانہ بھیس میں نہیں جاؤ گی۔ تم فوراً مردانہ بھیس بدل لو۔

خانم :- بہت بہتر شہزادی صاحبہ حکم کی تعمیل ہو گی۔

(شہزادی گلے میں پڑے خوبصورت موتیوں کی مالا کو بے چینی سے مسلنے لگتی ہے) بی برک مختلف نگینے دیکھ رہا ہے۔ اسے ہر نگینے میں غیر ارادی طور پر شہزادی گراں ناز کی قلعہ والی صورت نظر آتی ہے۔ وہ آنکھیں ملتا ہے۔ تصویر دھندلی ہو جاتی ہے ... وہ فوراً کئی ہزار اشرفیوں کے دو نگینے خرید لیتا ہے۔ واپس مڑتا ہے تو خانم سے ٹکرا جاتا ہے جو گھوڑے کے قریب کھڑی

ہے۔ لگتا ہے کہ ابھی ابھی آئی ہے لیکن وہ اسے نہیں جانتا۔

بی برگ:۔ نوجوان! شہ سواری کی تربیت حاصل کرو۔ تازی پر۔

خانم:۔ آپ کا ساتھ رہا تو انشاء اللہ تربیت حاصل ہو جائے گی۔

بی برگ اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور خانم اپنے گھوڑے پر دونوں ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔

بی برگ:۔ لگتا ہے ابھی درس پورا نہیں ہوا گھڑسواری نئی نئی سیکھ رہے ہو

خانم:۔ اسے بھی آپ مکمل کروا دیں گے۔

بی برگ:۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا تم کیا کہنا چاہتے ہو اور مجھے کیسے جانتے ہو۔ جاؤ اپنا راستہ لو میں بچوں سے الجھا نہیں کرتا۔

خانم:۔ سرگوشی کرتے ہوئے نوجوان تمہارے لئے شہزادی گراں ناز کا پیغام ہے وہ تم سے ملنا چاہتی ہے لیکن بظاہر ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ قلعہ کی دیواریں اتنی بلند و بالا ہیں کہ انہیں عبور کرنا ممکن نہیں۔ محبت کی تپش اتنی ہے کہ نہ جان جاتی ہے نہ رہتی ہے۔

بی برگ:۔ شہزادی گراں ناز سے کہنا کہ تیرا جو حال ہے وہی میرا بھی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ تیرے قلعہ کی بلند و بالا دیواریں میرے عزم کے آگے ریت کا ڈھیر ہیں۔ میں جس سے ملنا چاہتا ہوں ہر رکاوٹ دور کر لیتا ہوں ——— جاؤ اور شہزادی گراں ناز سے کہہ دو کہ میں بی برگ ہوں۔ پوچ رند ہوں اور سردار میر چاکر خان رند کا بھانجا ہوں۔ وحشت کے میدانوں میں پلا ہوں اور بلوچستان کے پہاڑوں کے ٹیڑھے راستوں پر چلنا جانتا ہوں۔ اڑتی چڑیا کے پر اپنے تیروں

لی زو میں سے لیتا ہوں۔ جاؤ اور جا کر کہہ دو کہ اے شہزادی بلی برک کو تمہاری صورت اچھی طرح سے یاد ہے اور وہ اس صورت کو اپنے دل میں پنہاں کرنا چاہتا ہوں وہ ان ارغونی سانسوں کو جو ان وادیوں میں کھینچ لینا چاہتا ہے اور وہ اس وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ اسے کہو کہ اس کے سیاہ چادر ایسے لانبے بال اب دوبارہ بستی کی وادیوں میں ڈھلیں گے۔ میں کل رات گئے اس کے قلعہ میں اس سے ملنے آؤں گا۔

خانم :۔ اے سردار تیری باتوں میں مجھے خلوص کی بو آتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ تو حقیقت کر دکھائے گا بلاشبہ شہزادی گرانمایہ کے قابل ایسا ہی بہادر جوان ہو سکتا ہے۔ لیکن تمہیں قلعے کی مضبوطی کا اندازہ نہیں۔ وہاں قدم قدم پر شجاع الدین ارغون کے سپاہیوں کا پہرہ ہے اور دیواریں اتنی سیدھی کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔

بلی برک :۔ (ہنس کر) فکر نہ کرو میں اپنی منزل مقصود پر پہنچنا جانتا ہوں۔ کل رات شہزادی میرا انتظار کرے۔ تم نیند کے لئے دو لڈو قلعے کے پچھلی طرف پہریدار کو دے دینا۔ بلی برک یہ کہہ کر جاتا ہے کہ اس کا قلعے سے گزر ہوتا ہے۔ دیواریں بالکل سیدھی اور چکنی ایسی کہ ہاتھ لگاؤ اور پھسل پڑے بلی برک اس پر ہاتھ پھیرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے۔ سیدھا قندھار کے بازار میں لوہار کی دکان پر جاتا ہے۔

بلی برک :۔ (لوہار سے) میخیں رکھیں ہوں گی تمہارے پاس ؟

لوہار :۔ چھوٹی تین چار انچ والی میخیں دکھاتا ہے (بلی برک انکار

کی صورت میں مل جاتا ہے۔

بی برک :- تم میرے لئے لوہے کی موٹی زنجیریں تقریباً ایک فٹ کی
انہیں ابھی بنانا شروع کر دو۔

لوہار :- حیرت سے اتنی بڑی زنجیریں بھی ہوتی ہیں۔ کیا
کام لینا ہے۔

بی برک :- کام لینا ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ تم اشرفیوں کی بات کرو۔ اپنا
یہ لو۔ اشرفیوں کی تھیلی اس کی طرف پھینکتا ہے اور کہتا ہے
کہ آج ہی ساری رات جاگ کر میرا کام کرو۔

لوہار فوراً لوہا کاٹ کاٹ کر زنجیریں بنانا ہے۔

رات کا وقت ہے۔ قلعہ روشنیوں سے جگمگا رہا ہے اور
ان روشنیوں میں پہرےداروں کے سائے نظر آ رہے ہیں
جو تلواریں لئے چکر کاٹ رہے ہیں۔ اسی اثنا میں قلعہ کی پچھلی
دیوار کے قریب خانم پلیٹ میں کھیر لاکر سپاہیوں کو دیتی
ہے اور چلی جاتی ہے۔ سپاہی اسے کھاتے ہی اونگھتے ہیں
اور ایک دوسرے پر گر جاتے ہیں۔ بی برک گھوڑے پر
آتا ہے اور قلعہ کی پچھلی طرف اتر جاتا ہے اوپر کمرے میں
خانم اور شہزادی گراں ناز بے چینی سے ٹہل رہی ہیں۔

شہزادی :- خانم ہمیں خوف محسوس ہو رہا ہے۔ خدا جانے کیا ہو جائے

خانم :- اب جو فیصلہ آپ نے کر لیا ہے سو کر لیا۔ اب ڈرنا کیا۔

شہزادی :- ہم حیران ہیں کہ بی برک ہم تک کیسے پہنچے گا اور اگر وہ
خدانخواستہ مارا گیا تو . . . ہم بھی جیتے جی مر جائیں گے
تم جاؤ خانم قلعہ کی پہلی منزل پر سپاہیوں کی نگرانی
کرو۔ خانم کے جاتے ہی گراں ناز دریچے سے نیچے جھانکتی ہے

اور مارے خوف کے اس کی ہلکی سی چیخ نکل جاتی ہے۔ کیونکہ بی برک قلعہ کا آدھا راستہ طے کر چکا ہوتا ہے وہ منہ میں کیلیں دبائے ہاتھ میں ہتھوڑی پکڑے ہے۔ دو فٹ اونچائی پر وہ منہ سے کیل نکال کر دیوار میں پیوست کرتا ہے اور پھر اس پر قدم رکھ کر اگلی کیل دیوار میں ٹھونکتا ہے۔ لیکن تقریباً دو گز کے فاصلے پر کیلیں ختم ہو جاتی ہیں۔

بی برک :۔ (شہزادی کو آواز دے کر) اے گراں ناز! تیرا محبوب اب دو گز فاصلے کے آگے بے بس ہے۔ اتنی طویل منزل طے کرنے کے لئے اسے اندازہ ہوا کہ کیلیں بہت کم ہیں اور راستہ زیادہ۔

گراں ناز :۔ اے بی برک نہ گھبرا میں یہ بندوبست کر لوں گی۔ غالباً اسی دن کیلئے اس قلعے میں میرے سیاہ چمکیلے بالوں کی افزائش ہوئی تھی۔ انھیں اس دن کے لئے پالا گیا ہے۔ یہ اسی دن کے لئے اتنے بڑھے تھے۔

یہ کہہ کر شہزادی اپنے بالوں کو کھول دیتی ہے اور اپنا سر کھڑکی سے آگے نکال کر بال لٹکا دیتی ہے اور کہتی ہے بی برک تھام لے۔ میرے لانبے بالوں کو سہارا لے لے اور آجا۔ بی برک، شہزادی کے بالوں کا سہارا لے کر دریچے کو تھام لیتا ہے اور اوپر آجاتا ہے۔ شہزادی کا عجیب انداز ہے۔ خوشی و مسرت کے ساتھ خوف و ہراس بھی ہے۔ وہ کانپ رہی ہے اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر وہ مسکراتا ہے۔

بی برک :۔ شہزادی اب گھبراہٹ کیسی؟

شہزادی :۔ (شرماکر) آپ کی موجودگی کا احساس ہے۔ سوچ رہی

ہوں یہ خواب ہے یا حقیقت ۔

بی برک :۔ (شہزادی کو آرام سے بٹھاتا ہے اور کہتا ہے) میں وعدے کا پابند رہا۔ گراں ناز اب تو اپنا وعدہ پورا کر۔ سبی کی وادیاں تیرا انتظار کر رہی ہیں

شہزادی :۔ سمجھ نہیں آرہا ہے بی برک تم نے ہم پر کیا جادو کر ڈالا ہے۔ ہمیں تمہاری قربت میں تحفظ کا احساس ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اگر شاہ ہرات کو اس واقعے کا علم ہو جائے تو وہ خدانخواستہ تمہارا سر کاٹ کر ہرات کے دروازوں پر لٹکا دے گا ۔

بی برک :۔ تمہارا ساتھ رہا تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے تب محبت کی چنگاری کو ہم کتنے مہینوں سے بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب بھڑک اٹھی ہے۔ قبل اس کے آگ لگے چلو ہم دونوں یہاں سے نکل چلیں ۔

شہزادی :۔ اے بلوچ جوان تو نے منگول خون میں کیا پھونک دیا ہے کہ ہم تیرے آگے بے بس ہیں ـــــ مجبور ہیں ہم یہ دنیا چھوڑ سکتے ہیں پر تمہیں نہیں چھوڑ سکتے ۔

بی برک :۔ تو چلو ۔

بی برک شہزادی گراں ناز کو اپنے بازوؤں کا سہارا دے کر انہی کیلوں کا سہارا لئے اتارتا ہے۔ شہزادی گراں ناز کا وجود بی برک کے سامنے ننھا منا سا ہے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے، وہ دونوں گرنے لگتے ہیں۔ مارے خوف کے شہزادی آنکھیں بند کر لیتی ہے اور کیل کا صرف ذرا سا حصہ بی برک کو سہارا دیتا ہے کیونکہ بلندی اتنی زیادہ کہ نیچے کھڑے گھوڑے

کھیلونے سے لگتے ہیں۔ بی برگ کا چہرہ پسینہ پسینہ ہو گیا۔
بالآخر دونوں اتر جاتے ہیں۔ بی برگ کی کہنیاں چھل جاتی
ہیں اور کپڑوں کا کچھ حصہ کیل میں اٹک کر رہ جاتا ہے جو بعد
میں یہی پہچان دیتا ہے کہ بی برگ شہزادی کو اغوا کر کے لے گیا ہے
دونوں گھوڑے پر سوار ہو کر چلے جاتے ہیں۔ گھوڑے بغیر رکے
سرپٹ گرد اڑاتا بلوچستان کی وادیوں میں داخل ہوتا ہے
بی برگ :۔ راکھتا ہے چالیس ندیاں طے کی ہیں اور پہنچا اس وقت کہ
سورج نکلا ہمارا دشت میں۔
اے شہزادی تیرے ارغونی سانس نے اب بلوچی سانس لے
لیا ہے۔ تیرے جسم میں بلوچی ہوا رچ گئی ہے۔
شہزادی :۔ میں حیران ہوں۔ بی برگ کہ نہ تو تھکا نہ تیرا گھوڑا شاید
اس دن کے لئے تو نے اپنے گھوڑے کو تازہ دم ہونے
کے لئے گوشت کھلایا تھا۔ یہ بتا کہ تیرے پاس کتنی فوج ہے
بی برگ :۔ چالیس ہزار رند شہسوار ہیں۔ ۴۵ ہزار بلیدی تیغ زن ہیں
۴۵ ہزار لاشاری ہیں اور دس ہزار ہمارے ایسے ملازم
ہیں جو کام کرتے ہیں اور ہمیں جام پلاتے ہیں۔
شہزادی :۔ بس اتنے سے بی برگ، مجھے مغل قندھاریوں کے خوفناک
چہرے یاد آرہے ہیں جو تجھے کبھی بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیں
گے۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ ہرات، قندھار سے ایسے بہادر
بھائی اور جوان یلغار کرتے آرہے ہیں۔ بی برگ یہ بتا کہ تیرا
دوست کون ہے اور دشمن کون۔
بی برگ :۔ میرا دوست میر چاکر خان ہے اور میرا دشمن گوہرام لاشاری
شہزادی :۔ تو پھر ہم دونوں دشمن کے پاس پناہ لیں گے تاکہ وہ بھی

بی برک :۔ ۔۔۔ ستہ پاکر، لیکن جب وہ تم سے ملنے کا تو اسے یقیناً خوشی محسوس ہوگی کہ ہمارے زندگانی کی خوبصورت میں ایک ہمارے نوجوانوں کی جرأت حیات ہے اسے مایوسی ہرگز نہ ہوگی۔

شہزادی :۔ میں نے کہا نا کہ تمہارے شاعرانہ خیالات مجھے مایوسی کی دنیا سے فوراً نکال دیتے ہیں اور خیالوں کو بھٹکنے نہیں دیتے۔ لیکن بی برک میں سوچ رہی ہوں کہ دیکھو پر خوف کا آشیانہ جب تمام مغلوں کو علم ہو جائے گا کہ تم مجھے یہاں لے آئے ہو تو قیامت ٹوٹ پڑے گی ــــــــــ میرا باپ شجاع الدین ارغون اپنے سپاہیوں سمیت قہر و جبر کی تصویر بنے دشت میں گھوڑوں کی گرد اڑا رہے ہوں گے۔

بی برک :۔ کل کیا ہوگا؟ اس کے بارے میں سوچنے کے بجائے حال پر غور کرنا اچھا ہوگا۔ وہ دیکھو سامنے گندھاوا کا قلعہ آ گیا ہے میرا خیال ہے کہ میں آگے بڑھ کر تمہارے آنے کی بھی اطلاع کر دوں۔ شہزادی گراں ناز چہرے پر باریک سیاہ نقاب ڈال لیتی ہے اور دروازے سے چند گز فاصلے پر گھوڑے پر سوار ہے۔

بی برک :۔ رہپریدار سے، اے جوان جاؤ سردار گواہرام لاشاری سے کہہ دو کہ بی برک قندھار سے اپنی ایک مہمان لایا ہے اور سیدھا آپ کے پاس چلا آیا ہے۔ وہ آپ کی پناہ چاہتا ہے۔ پہرہ دار واپس پلٹ کر چلا جاتا ہے، گواہرام لاشاری اپنی قیام گاہ میں ہے اور ایک بلوچی جوان سے نغمہ سن رہا ہے کہ پہرہ دار داخل ہوتا ہے۔ اس کی مداخلت پر وہ غصے سے اسے کہتا ہے۔

گواہرام لاشاری :۔ کیا بات ہے بہلول خان

بہلول :۔ سردار صاحب! میر چاکر خان کا بھانجا بی برک دروازے پر ہے

ہماری حفاظت کرے ۔ دوست پھر دوست ہوتا ہے (دونوں
گھوڑے پر سوار باتیں کر رہے ہیں)
بی برک :۔ بلاشبہ شہزادی تو بے حد عقلمند ہے اب ہم گوابارام لاشاری
کے پاس جائیں گے ۔

شہزادی گراں ناز :۔ اے بی برک سوچتی ہوں اچھا تھا کہ تیرے اشعاروں کا
مفہوم مجھ تک نہ پہنچتا ——— میں دل ہی میں تیرے انتظار
کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتی اور دل کی یہ کسک مجھ تک ہی
محدود رہتی ۔
بی برک :۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اچھا ہوا تیرے اشعاروں میں اب محبت کی تڑپ
بھی شامل ہو گئی ہے ۔ تیری زلفوں نے تجھ سے کتنی خوبصورت
بے وفائی کی ہے ۔ وہ بے اختیار تجھ سے پہلے مجھ تک پہنچی ہیں سوچ
ہوں کہ ان زلفوں کا احسان کیسے چکاؤں گا ۔
شہزادی گراں ناز :۔ (شرما کر) لفظوں کی ادائیگی میں تمہیں کمال حاصل ہے
بی برک قصور دل کا اور احسان زلفوں کا ۔ لیکن سوچتی ہوں کہ جب
شاہ ارغون مجھے نہ پائے گا تو کیا خیال کرے گا ۔ میرے بارے
میں اس کے تاثرات اچھے نہ ہوں گے ۔
بی برک :۔ (آنکھوں میں چمک آتی ہے) اسے بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ
کہ شہزادی بلوچی جوان کے ساتھ دشت چلی گئی ہے ۔
شہزادی گراں ناز :۔ (تصور میں اپنے بھائی حیدر کو دیکھتے ہوئے) اور میرا بھائی حیدر؟
محاذ جنگ پر جانے کے لئے تلوار بازی کی مشق کر کے لوٹے گا تو!
نہ پائے گا اور سوچے گا آج میں کسے بتاؤں کہ میں نے تلوار کا
وار سیکھا ہے اور نیزہ پھینکنے میں بھی سب پر اولیت حاصل کی؟

اور آپ سے پناہ کا طالب گار ہے۔

گوہرام :۔ رحیرانی سے) پناہ! ہم سے مگر کیوں؟ یہ بتاؤ کہ وہ کہاں سے آیا ہے اس کے ہمراہ کون کون ہے۔

بہلول :۔ سردار صاحب وہ قندھار سے سیدھا یہاں ہی چلا آیا ہے اس کے ہمراہ ایک حسین وجمیل دوشیزہ بھی ہے۔ لگتا ہے کہ وہ کوئی شہزادی ہے۔

ایک لاشاری :۔ سردار معلوم ہوتا ہے کہ یہ یقیناً شہزادی گراں ناز ہے۔ کیونکہ بی برک کسی معمولی بات کے لئے پناہ حاصل کرنے نہیں آیا بلکہ وہ قندھار سے آیا ہے اور آج کل وہاں شہزادی گراں ناز کے حسن وجمال کے چرچے عام ہیں۔ یقیناً اسے بھی بی برک کی بہادری، اس کی شاعری اس کے جمال نے متاثر کیا ہوگا اور وہ مغل دوشیزہ بے اختیار دشت میں چلی آئی۔

گوہرام :۔ رچند ثانیے خاموش رہتا ہے) پھر کچھ سوچ کر میں خود وہاں جاؤں گا اور اسے پناہ کے بارے میں اپنا جواب دوں گا۔ محفل بدستور برقرار ہے۔ چلا جاتا ہے۔

گوہرام :۔ آ بلوچوں کے میر تجھے خدا لائے خدا تجھے تیرے دوست کے ساتھ اپنی امان میں رکھے۔

بی برک :۔ گوہرام میں تجھ سے پناہ لینے آیا ہوں۔

گوہرام :۔ تو میری پناہ میں ہے بی برک اگر مغل چیونٹیوں کی تعداد میں بھی آئیں گے تو پہلے ہم اپنا سر دیں گے پھر ان کا ہاتھ تم تک پہنچے گا۔ اب تم آرام کرو۔ بی برک میں کھانا بھجوا رہا ہوں جانے سے پہلے یہ ضرور کہوں گا کہ تم نے منگوں کو

چھیڑ کر اچھا نہیں کیا اگر تم میری پناہ میں نہ ہوتے تو میں اپنی
بیٹی ملیٰ کے لئے جان بوجھ کر سوت نہ پیدا کرتا۔
خدا حافظ ـــــــ نکل جاتا ہے۔

بی برک :۔ (قالین پر بیٹھتا ہے۔ شہزادی بھی قالین پر بیٹھ جاتی ہے۔
اتنے میں ملازم کھانا لاکر رکھتا ہے)۔

جب بی برک شہزادی گراں ناز کے ساتھ اپنے دشمن سردار گوہرام لاشاری کے پاس جاتا ہے تو وہاں اس کا کھانا نہیں کھاتا کیونکہ لاشاری ان کے دشمن تھے۔ لہٰذا دشمن کا نمک کھا کر دشمن کے خلاف لڑائی نہیں ہو سکتی۔ اس بارے میں بی برک شعر کہتا ہے۔

نمیں من واڑتھ نیں منی دوست ع

کم تھرا تھالانی بنارکھتاں

گیشترا انارہ بنارتکاں

دست پناسی پھرا شتاں

شہزادی گراں ناز

گال کتہ روشے چارد ہی ماھا

بی برک شو لے لاشاری ہتر جنیں

اے چہ دوئے ماں چتر ءُ پشتہ

چتر ءُ نشتہ ولے غصوئے گو میں

شعروں کا ترجمہ ہے ۔

۱ ۔ طعام یعنی گر ہرام کے محل سے لائے ہوئے کھانے کو نہ میں نے کھایا نہ میری محبوبہ نے ۔

۲ ۔ اکثر ہم دونوں کھانا پلیٹ وغیرہ کے نیچے چھپا دیتے تھے ۔ رات بالاخانے سے کھانا نیچے کوڑا کرکٹ میں پھینکتے تھے اور ایسے ظاہرا طور پر ہم اپنے ہاتھ دھوتے تھے ۔

---

۱ ۔ ایک دن چودھویں چاند جیسی خوبصورت محبوبہ نے پوچھا بی برک تمہارے اور لاشاریوں کے کیسے تعلقات ہیں ۔

۲ ۔ یہ کیا دھوکا ہے کہ اس کی چٹائی یعنی گھر میں بیٹھ کر بھی اس کو دشمنی کی نگاہ سے دیکھتے ہو ۔

کلام بی برک ،

ماجراو گرڈ دیتھا ھزار نازا

مارچھوں دیری ایں قصو گیراں

نمک ءِ لاف ءِ مول نہ دارانی

گنڈنواں رشے دژمن بی آنی

ترجمہ اردو

۱۔ میں نے ہزار نازو والی محبوبہ کو جرا یا کہا کر ہم لوگوں کی آپس میں قدیم دشمنی ہے۔

۲۔ میں ہرگز دشمن کا نمک اپنے پیٹ میں نہیں رکھوں گا۔ شاید پھر کسی دن میں اس کے خلاف دشمنی پر اتر آؤں۔

عاقلیں ماہ گنج ءِ مناں گوشتا

بی برک وڈیرہ مڑایانی ،

ماکراز محلات سرا دیشا !

شولے دیانی آتش بادشاہ گرانیں

آں مغل قندھاری مناں سچ انت

کرزک تراسیوی نندغ نیل انت

١ ۔ جاذ کو شرمانے والی عقل مند محبوبہ نے جواب دیا۔
بی برگ سردار موتیوں جیسے خوب صورت ۔

٢ ۔ میں نے ایک دن محل کے اوپر سے اپنے باپ کو/
کو دیکھا ہے ۔
تمہاری ساری بلوچ فوج پہ بادشاہ قندھار کی فوج بھار
ہے ۔

٣ ۔ وہ قندھار کے مغل میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ مغل
تجھے دل برگ کو سبی میں آرام سے بیٹھنے نہیں دیں گے۔

ب ۔ برگ

ماجرا و مقرینغا وثی دوست ءَ

چاکر منی دوست گوہرام منی دژمن

چِل ہزار رِند بارغیں یولاں !

سی ہزار میر عالی بہادراں

یک ہزار نوجانی مرٹو خیناں

دہ ہزار راوچی گوں مناں گوناں

ببجا، گوں گوہرام لڑیں تیغاں

بھتی پتی راجاں ہیچ نیں کمی ،

۱. میں نے اپنی محبوبہ کو جواب دیا کہ جاکر میرا دوست اور گوہرام میرا دشمن ۔

۲. چالیس ہزار گھوڑ سوار فوج رند قوم کا ہے ۔ تیس ہزار میر عالی دلیدی (؟) قوم کے بہادر ہیں ۔

۳. ایک ہزار لڑاکے بہادر نوحانی قبیلہ کے ہیں ۔ دس ہزار نوکر شراب پلانے والے میرے پاس ہیں ۔

۴. پچاس ہزار شمشیر زن گوہرام کی کمان میں ہیں ۔ اس کے علاوہ اور بہت سے قبیلے ہیں ۔

گراں ناز

(۱) پھول کشہ ماہ لچ ءُ ٹھونغینا

لی برک وڈیرہ منڑا یانی

---

(۲) دسے مناں موڑانی دل ءَ حالاں

چہ کریں الکھاں مناں زڑ تھے

تھامناں گوشتے تئی دیر سریں چھوشنت

(۳) تھام تئی رِند بر ہنیں تازی

تھام تئی سیری مجلسی در نا

(۴) کھے تئی دوست کھے تئی دژمن

ترجمہ

(۱) ماہ تاب یا چاند کو شرمانے والی محبوبہ نے پوچھا
سوتی جیسے خوبصورت سردار بی برک

(۲) تو اپنے اندر دل کا راز بتا دے
تو مجھے کتنے دور دراز ملک سے لایا ہے

۳ - تو نے مجھے کہا تھا کہ تم بہت کثیر تعداد فوج کے مالک ہو
کہاں ہیں تیرے نوجوان سورما رِند گھوڑے کی ننگی پیٹھ
پر بیٹھنے والے ۔

۴ : کہاں ہیں تیرے دولہا جیسے سجے ہوئے نوجوان
کون ہے تیرا دوست اور کون ہے تیرا دشمن

بی برک :- شہزادی کھانا کھاؤ ۔

شہزادی :- نہیں بی برک میں نہیں کھاؤں گی۔ یہ دوسری مرتبہ کہا ہے اور تم نے چکھا تک نہیں۔ آخر کیا وجہ ہے ۔

بی برگ :۔ تلوار کو صاف کرتے ہوئے۔ ہاں شہزادی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری اور گوہرام لاشاری کی مدتوں پرانی دشمنی ہے آج اگر میں نے اس کے گھر کا نمک کھا لیا تو میں اس سے جنگ نہ کر سکوں گا میں نمک کھا کر لڑنے کے بعد نمک حرام کہلانا پسند نہیں کرتا۔

میر چاکر خان :۔ دربار میں بیٹھا ہے کہ ایک بلوچ گھبرائے انداز میں داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ سردار اعظم غضب ہو گیا۔

میر چاکر خان :۔ اطمینان کے ساتھ۔ کیا بات ہے۔ کونسی آفت ٹوٹ پڑی ہے۔

بلوچ جوان :۔ مغلوں کا لشکر آندھی اور طوفان کی طرح آگے بڑھ رہا ہے وہ ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں کیونکہ بی برگ نے ان کی غیرت کو للکارا ہے وہ شہزادی گراں ناز کو اغوا کر کے لے آیا ہے اور اس وقت گندھاوا میں گوہرام لاشاری کی پناہ میں ہے۔ میر چاکر خان کے چہرے پر کرختگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

ایک اور سردار :۔ اے سردار اعظم بی برگ نے یہ اچھا نہیں کیا اس نے کسی ندی کا منہ نہیں کھولا ہے بلکہ سمندروں کا منہ کھول دیا ہے اور اب مغلوں کا لاکھوں کا لشکر سمندر بن کر بلوچستان کو ہڑپ کر لے گا۔

میر چاکر خان :۔ ہاں بی برگ نے یہ اچھا نہیں کیا ہے۔ جاؤ گوہرام لاشاری سے کہو کہ اپنی فوج یہاں لے آئے۔ جاؤ بلیدیوں سے کہو کہ وہ بھی جمع ہو جائیں۔ آج کے دن ہمارے اختلافات صرف مغلوں سے جنگ تک محدود ہیں۔ جنگ کا بگل بجا

ہے اور گنداوا قلعہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد
میں لاشاری تلواروں اور تیر کمانوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار
چاکر خان کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ چاروں طرف گرد ہی گرد
ہے ان کے درمیان شہزادی گراں ناز اور بی برک ہے یہ
سب میدان میں جمع ہو جاتے ہیں کہ دوسری طرف سے زبردست
شور و غل مچتا ہے۔ گھوڑے کی ٹاپوں اور ان کے ہنہنانے
کی آوازیں شدید ہو جاتی ہیں۔ قندھار کا حاکم شجاع الدین
ارغون جلال کی تصویر بنا گھوڑے پر سوار سب سے آگے ہے دیکھتے
ہی دیکھتے سامنے والا میدان گھوڑوں سے اٹ جاتا ہے۔
محسوس ہوتا ہے کہ جیسے جنگ ہونے کو ہے۔ کشت و خون سے میدان
بھر جائے گا۔ اتنی لاشیں ہوں گی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ
ملے گی۔ دونوں طرف تیاریاں ہو رہی ہیں کہ بی برک دربار
میں حاضر ہوتا ہے۔ میر چاکر خان گہری نظروں سے اس
کا جائزہ لیتا ہے)۔

بی برک :۔ اے سردار اعظم میں نے شہزادی کو اغوا نہیں کیا ہے بلکہ
اس نے مجھے دیکھ کر خود بلایا تھا اور میرے ساتھ چلنے کو کہا
تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی اگر میں شہزادی کی محبت
کا جواب نفرت سے دیتا تو دنیا کہتی کہ بلوچوں کے پاس
محبت و اخلاق کی کمی ہے پھر وہ مجھے بزدل گردانتے کہ میں
اسے چھوڑ گیا۔ سو میں نے بہادروں کی روایت قائم رکھی ہے
اور اسے اس کے قلعہ سے ہزاروں منگولوں کے ہوتے ہوئے
لایا ہوں۔

میر چاکر خان :۔ سنو اب جو ہونا تھا سو ہوا۔ سر دست مقصد تو یہ ہے کہ صبح

ہوتے ہی پہلے حملہ کون کرے گا۔

ایک سردار :- سردار اعظم ہمیں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ پہل دشمن کو کرنے دیں۔ پھر ہم جواب دیں گے۔

میر جاکر خان :- دربار سے اٹھتے ہوئے) رات کو جنگ کے بارے میں اہم صلاح مشورے کئے جائیں گے۔ اس لئے سب کو حاضر ہونا ہوگا۔

دربار برخاست ہوتا ہے۔

بی برگ جا رہا ہے کہ اسے چند رند عورتوں کے بین کرنے کی آواز آتی ہے۔ وہ چھپ کر سنتا ہے۔

ایک عورت :- خدا بی برگ کو ہدایت دے اس نے ہمارے لئے کیا مصیبت کھڑی کر دی ہے۔

دوسری :- صبح ہوتے ہی ہم سب بیوہ ہو جائیں گی کیونکہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کیسے ہوگا۔

تیسری :- میرے معصوم بچے یتیم ہو جائیں گے اور یہ سارا جھگڑا ایک عورت کے لئے کھڑا ہوا ہے۔ صرف ایک شہزادی کے لئے ہماری قوم کو اتنی بڑی قربانی دینی پڑے گی۔

پہلی عورت :- (روتے ہوئے) چلو اٹھو اپنے شوہروں سے آخری ملاقات تو کر لو۔ صبح کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہمیں ابھی سے ہے۔

بی برگ :- (دم بخود) ان کی باتیں سنتا ہے اور پھر سرگوشی کرتے ہوئے واقعی بی برگ تم نے اچھا نہیں کیا میری قوم کی عورتیں اب دکھ کی زندگی گزاریں گی۔

(عزم سے) بی برگ تم نے اپنی مدد جیسے آپ کیا ہے اور یہ جنگ بھی تجھے تنہا ہی لڑنا پڑے گی۔ تجھے کسی کا احسان نہیں لینا

چاہیئے ... زوروں کا نہ لانا ہوں گا

ہے خیمے کی طرف جاتا ہے۔ شہزادی گراں ناز داخل ہوتی

ہے اس نے لانبے بال الجھے ہوئے ہیں اور رہا ... ملی

کی بیوی ملی کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ وہ شہزادی سے کہتی ہے

ملی :- مجھے کسی کا بھی خیال نہ آیا گراں ناز۔

گراں ناز :- مجھے بی برک کی طلسماتی نظروں نے اپنا اسیر بنا لیا تھا اور اب جانا بھی چاہوں تو نہ جا سکوں گی۔

ملی :- صبح جنگ ہوگی اور پھر نہ تیرا نصیب جاگے گا نہ میرا ہم دونوں۔ میرا مطلب ہے میں بیوہ بن کر جیوں گی اور تو ... محبوبہ بن کر روتے عمر گزارے گی۔

گراں ناز :- ملی حسد کی آگ میں اس بہادر چہرے کو موت کی آغوش میں دیکھ دعا کر کہ خدا کوئی سبیل نکالے۔

ملی :- میری دعاؤں میں اتنا اثر ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ تو تُو کبھی اپنی زلفوں کا اسیر اسے نہ بنا سکتی۔

گراں ناز :- (غصے سے) میں تیری باتیں سننے کی بجائے جنگ کرنے کو ترجیح دوں گی۔ باہر نکل جاتی ہے اور ملی دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر روتی ہے۔ میدان میں حد نگاہ تک چراغ خیموں میں ٹمٹما رہے ہیں۔ خیموں کے باہر مغل سپاہی اپنی تلواروں کی دھاروں کو تیز کر رہے ہیں کوئی تیر کمان کی جانچ کر رہا ہے کبھی کوئی گروپ بی برک کے خلاف غصے کا اظہار کرتے کہہ رہا ہے کہ ہم ان کا خون پی جائیں گے مختلف طریقوں سے غصے کا اظہار کر رہے ہیں۔

رات کافی زیادہ ہو چکی ہے۔ جھینگر بے تحاشا بول رہے ہیں

کبھی کبھار گیدڑوں کے چیخنے کی آوازیں بھی آتی ہیں ایسے میں اندھیرے سے بی برک دور ان خیموں سے مغلوں کی جگہ پاس میں ایک جوان نکلتا ہے اور مغلوں کے خیمے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ وہ مکمل طور پر مغل دکھائی دے رہا ہے یہ بی برک ہے ہزاروں خیموں سے نکل کر وہ تن تنہا شہزادی گراں ناز کے والد شجاع الدین ارغون کا خیمہ تلاش کر رہا ہے۔ کئی مرتبہ وہ پکڑے جانے سے بچا۔ اچانک اسے سب سے بڑا سجا ہوا خیمہ نظر آتا ہے۔ وہ ارغون کا خیمہ ہے۔ خیمے کے چاروں کونوں پر پہرہ ہے۔ بی برک ایک پہرہ دار کو ختم کرتا ہے اور خود اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے پھر دوسرے کو تلوار کے ایک ہی وار سے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ آہستہ قتل کرتا ہے کہ انہیں آواز نکالنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ وہ چاروں طرف جائزہ لیتا ہے اور خیمے کے ایک سوراخ سے جھانکتا ہے کہ شاہ ارغون سویا ہوا ہے اور ایک ملازم اس کے پاؤں داب رہا ہے۔ بی برک پیچھے سے جا کر پہلے اس کا منہ بند کر دیتا ہے اور پھر اس کو بھی قتل کر دیتا ہے۔ چند ثانیے جب شاہ ارغون کو کوئی نہیں دباتا تو وہ سوتے ہوئے بلند آواز سے کہتا ہے۔

شاہ ارغون:۔ کیا بات ہے احمد خان پاؤں کیوں نہیں دبا رہے ہو۔

بی برک:۔ فوراً آگے بڑھ کر ملازم کے ہی انداز میں پاؤں دباتا ہے۔

شاہ ارغون:۔ (چونک کر آنکھیں کھولتا ہے) کیا بات ہے احمد خان تیرے ملائم ہاتھوں کی جگہ یہ سخت پتھر کے ہاتھ کیسے بن گئے ہیں کوئی جواب نہ پا کر وہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ایک اجنبی کو سامنے

دیکھ کر تلوار نکال لیتا ہے۔ کون ہو تم ۔

بی برگ ۔ میں وہی ہوں آپ کا مجرم جس نے آپ کی صاف اور پاکیزہ پیشانی پر کالا داغ لگا دیا ہے۔ میں بی برگ ہوں ۔

شاہ ارغون :۔ تلوار سونت لیتا ہے ۔ تم ... تم ... وہ بی برگ ہو میری عزت کے قاتل ... میرے ملازم کہاں ہیں اور تم لاکھوں آدمیوں سے یہاں تک پہنچے کیسے ہو ۔

بی برگ :۔ میں نے ان سب کو قتل کر دیا ہے۔ یہ رہا آپ کے ملازم کا کٹا سر وہ کونے میں اشارہ کرتا ہے ۔

شاہ ارغون :۔ تمہارے بارے میں میں نے جو کچھ سنا ہے وہ سچ معلوم ہوتا ہے اے رند جوان تیری بہادری کی بنیاد کیا ہے تو نے جس ماں کا دودھ پیا ہے تو جس باپ کا بیٹا ہے وہ بلاشبہ قابل احترام ہیں کہ تجھ جیسی بہادر دلیر اور قوم کا نام اونچا کرنے والا بیٹو کو جنم دیا ہے۔ بتا تیرے ساتھ میں کیا سلوک کروں ۔

بی برگ :۔ حاضر ہوں جو سزا دیجئے منظور ہے۔ اتنے بڑے لشکر کو عبور کرکے آیا ہوں اس لئے ہوں کہ واپسی کی توقع نہیں ہے۔ گویا موت اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا کیونکہ اُسے بالآخر ایک نہ ایک دن ضرور آنا ہے سو اسی طور میں سہی ۔

شاہ ارغون :۔ تو نے میری لخت جگر کو لے جاکر مغلوں کی غیرت کو للکارا ہے۔ میں تجھے ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ بلوچستان کے خشک بے آب پہاڑ لرز اٹھیں گے۔ ندیاں پانی سے خشک ہو جائیں گی اور بسی کے وقت تیز ہواؤں کو عرصہ تک یہ کہانی دہرائیں گے ۔

بی برک اکڑ کر خاموش کھڑا ہے۔

شاہ ارغون :۔ جاؤ بی برک پردے کے پیچھے چھپ جاؤ تمہاری سزا کا وقت آنے والا ہے۔

بی برک پردے کے پیچھے چلا جاتا ہے۔

شاہ ارغون :۔ بلند آواز سے

جرنیل قاسم اور جرنیل حادی حاضر ہوں۔ چند لمحوں میں دونوں آجاتے ہیں۔ فوجی لباس میں ملبوس ہیں چہرہ اتنا خوف ناک جیسے خون ٹپک رہا ہو۔ دونوں کہتے ہیں۔ ہمیں پکارا ہے اسے حاکم قندھار۔

شاہ ارغون :۔ ہاں! بتاؤ قاسم اگر بی برک تمہارے ہاتھ آجائے تو تم کیا کرو گے۔

قاسم :۔ ردانتہ بجا کر حضور میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پاگل کتوں کے آگے اس کی لاش ڈال دوں گا اور پھر ان کتوں کو بھی قتل کر دوں گا اور ان کتوں کی لاشوں کو بھی آگ لگا دوں گا تب بھی میرے انتقام کی آگ سرد نہ ہوگی۔

شاہ ارغون :۔ اور حادی تم کیا کرو گے۔

حادی :۔ حضور میں اس کے کلیجہ کو نکال کر پہلے تو اپنے دانتوں سے چباؤں گا پھر اس کی لاش کو گدھوں کے کھروں سے باندھ کر بلوچستان کے پہاڑوں پر پھیراؤں گا تاکہ بلوچستان کے پہاڑ یہ عبرت ناک منظر یاد رکھیں۔

شاہ ارغون :۔ بہت خوب بہت اچھا ——— پھر آواز دے کر بی برک سامنے آجاؤ ———

دونوں جرنیل حیران رہ جاتے ہیں اور تلواریں نکال لیتے ہیں اور

کون ہے یہ، یہ نی برگ ہے یہ یہاں کیسے آیا۔

شاہ ارغون :۔ اے جرنیلوں تمہاری وفاداری پر مجھے شبہ نہیں ہے۔ مگر یہ میرا مجرم ہے اسے سزا میں دوں گا۔ قریب آؤ نی برگ۔ نی برگ چند قدم آگے بڑھتا ہے اور شاہ فوراً نی برگ کو گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے۔ یقیناً تو بہادر ہے اور میرا محسن بھی ہے۔ میں اکیلا اور غافل تھا تو اگر چاہتا تو تلوار کے ایک ہی وار سے میری زندگی کے چراغ کو بجھا دیتا لیکن تو نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔
میں نے اپنی پیاری بیٹی شہزادی گراں ناز کو تمہارے عقد میں دے دیا پھر گلوگیر آواز میں ——— نی برگ میری شہزادی کو تکلیف نہ دینا وہ مجھے بہت پیاری ہے۔

نی برگ :۔ اے میرے محسن تیری بیٹی بلوچستان کی شہزادی بن کر رہے گی اور اسے یہاں کی خشک ہوا بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی۔

شاہ ارغون :۔ قاسم تحائف کے خوان مہیا کرو ہمیں علی الصبح نی برگ کو رخصت کرنا ہے اور جاؤ لشکر میں منادی کروا دو کہ پو پھٹنے سے پہلے ہمیں یہاں سے واپس جانا ہے ———

میر چاکر خان کا دربار لگا ہے سب سردار غصے میں ہیں اور نی برگ کو لعن طعن کر رہے ہیں۔

ایک بلوچ سردار :۔ (میر چاکر خان سے) سردار اعظم یہ سارا مسئلہ نی برگ کا کھڑا کیا ہوا ہے۔ لیکن وہ لاپرواہی سے آیا بھی نہیں۔

دوسرا :۔ میں اسے بزدل نہیں سمجھتا لیکن اس موقع پر اس نے بزد

دکھائی دیتا ہے۔

پہلا :- ہم اس کے لیے جان کی بازی لگا رہے ہیں اور وہ کہیں عیش سے آرام کر رہا ہے۔

میر چاکر خان :- صبح ہونے والی ہے چلو میدان جنگ میں دشمن کے خیموں میں ہلچل دکھائی دے رہی ہے۔

ایک بلوچ :- سردار اعظم مغل اپنے خیمے بھی اکھاڑ رہے ہیں۔

چاکر خان :- معلوم ہوتا ہے کہ وہ زبردست حملہ کرنے والے ہیں اور ہمارے علاقے میں زبردست یلغار کے بعد خیمے لگائیں گے جنگ کی عام منادی کرا دو۔

جنگ کا بگل۔

ادھر مغلوں کا لشکر گھوڑے تیار کرتا ہے کہ دور سے ایک شہسوار مغل لشکر سے تیزی سے آ رہا ہے۔ سب چونکتے ہیں۔

سردار :- معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پیغام لا رہا ہے۔

چاکر خان :- حیرت سے یہ ۔ ۔ ۔ یہ تو بی برگ ہے مگر مغل لشکر میں اور وہ بھی زندہ واپس۔

سردار :- سردار اعظم وہ تو تحائف بھی لا رہا ہے۔ گھوڑا قریب آتا ہے ادھر مغلوں کا لشکر پوری شان و شوکت کے ساتھ گرد اڑاتا واپس جا رہا ہے۔ بی برگ کے قریب آتے ہی۔

میر چاکر :- بی برگ میں خواب دیکھ رہا ہوں یا یہ کوئی حقیقت ہے

بی برگ :- سردار اعظم یہ بالکل حقیقت ہے۔ میں نے اپنا مسئلہ خود حل کیا ہے جائیں اور جا کر رند عورتوں اور لاشاری خواتین سے کہہ دیں کہ بی برگ نے نہ رندوں کا احسان لیا ہے اور نہ لاشاریوں کا احسان اٹھایا ہے۔ وہ انہیں بیوہ اور ان کے

... دے گی۔

دیکھوں ...

بی برک ... نکل جاتا ہے اور اپنے گھوڑے پر شہ

گراں ناز کو بٹھا کر تیزی سے روانہ ہو جاتا ہے اور

ان کے راستے میں پہاڑ پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔

شہزادی گراں ناز :۔ پہاڑ سے پکارتی ہے۔ آواز بازگشت ہو

بابا ——— بابا مجھے مل کر تو جائیں، تیرے راستے میں

پھیلانے کو کھڑی ہوں۔

آواز سن کر شاد ارغون گھوڑا روک کر اترتا ہے اور

پہاڑ سے اتر کر باپ سے لپٹ کر روتی ہے تو شاد ار

کہتا ہے۔

شاد ارغون :۔ اے میری نازوں پلی شہزادی اپنے قیمتی موتیوں

آنسوؤں کو ضائع نہ کر تیرے ان آنسوؤں کی قیمت

بہادر شوہر بی برک چکائے گا۔

شہزادی :۔ بابا قصور ہے میرے ان سیاہ لانبے بالوں کا جنہوں

بی برک کو راستہ دکھایا اور اور قلعہ پر چڑھنے کے لئے

کا کام دیا۔

شاد ارغون :۔ جو ہوا سو ہوا اب تیرا گھر یہ دشت ہے جا اور جا

اپنے شوہر کی خدمت کر مجھے یقین ہے کہ بی برک علا

کی گرم ہواؤں کو تیرے رخ کے قریب بھی نہیں آنے

گا۔ یہ کہہ کر گھوڑا قندہار کی جانب دوڑا دیتا ہے۔

اور بی برک شہزادی گراں ناز کو تھامے واپس آتا ہے۔

یہاں میلے کا سماں ہے۔ بی برک کی شادی کی رسو

کی جا رہی ہیں۔ ساری جگہ چراغاں ہے اور ان

کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے جیسے یہ تیر شاہ ... سکے
بالوں میں کنگھی کر رہی ہیں۔ اپنے دامن بنا رہی ہیں
پہلے مہندی کی رسم ادا ہو رہی ہے۔ اور شادی کی رسم
ہو رہی ہیں۔
اور جب کھیل میدان میں بہادر جوان تیر سے بازی کھا رہے جب کہ
رہے ہیں۔ تو بزرگ شہزادی کو لے آتا ہے اور کہتا ہے

بزرگ:- بالآخر میری جیت ہوئی۔

شہزادی:- شرماتے انداز میں یہ جیت میری بھی ہے۔ بلوچ سردار اس لئے کہ بلوچوں کا سب سے حسین شہزادہ میرے سر کا تاج بنا ہے۔

شادی کی رسومات تمام ہو رہی ہیں۔

دولہا بزرگ کے خاندان کی عورتیں شیرینی کا تھال اٹھائے دلہن گران ناز کے پاس آتی ہیں اور سبز رنگ کی بڑی خوبصورت چادر کو اس کے سر پر ڈال دیتی ہیں۔ اس ریشمی خوبصورت چادر کو جمبی کہتے ہیں۔ پھر وہ تمام عورتیں ... میں شیرینی تقسیم کرتی ہیں۔ باہر سے اطلاع آتی ہے کہ نکاح کی رسم ادا ہوگی پھر چند بزرگ آدمی آکر دلہن سے رضامندی پوچھتے ہیں۔ اس کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ نکاح ہوگیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی فائرنگ کی جاتی ہے۔ زنان خانے اور مردان خانے میں ٹولیاں بنا کر خوشی کے مقررہ گیت گائے جاتے ہیں۔ عورتیں ہالو ہالو اور لیڑو لاڑو گاتی ہیں۔ تمام عورتیں گول دائرہ بنا لیتی ہیں۔ ایک عورت گیت شروع کرتی ہے اور باقی عورتیں ہلو ہالو گاتی ہیں۔ اس موقع پر پیسے نچھاور کئے جاتے ہیں۔ رقص کے بعد کھانا ہوتا ہے پھر

دولہا کو دولہن کے پاس لایا جاتا ہے اور تین مرتبہ پکھے سے
دونوں کا سر ٹکرایا جاتا ہے جو ان میں پہلے [illegible] جاتا ہے

گوهری

او ټتی

روایت ہے کہ لاشاری قبیلے کے خاتمے کی بنیاد گوہر کی اونٹنی بنی تھی
گوہر مہیری قوم سے تعلق رکھتی تھی وہ ایرانی بلوچستان سے آئی تھی
اور گندھاوا میں گوہرام لاشاری کے قلعہ میں رہی اور گندھاوا میں خیمہ لگا
گوہر بے حد خوبصورت تھی اور بے انتہا امیر بھی۔ اس کی امیری کا یہ عالم
کہ اس کے خیمے کا ایک حصہ مکمل طور پر سونے کا تھا۔ اس کے پاس
بے شمار مویشی تھے۔ لیکن گندھاوا آکر اسے احساس ہوا کہ اس نے یہاں آکر
اچھا نہیں کیا کیونکہ گوہرام لاشاری اس سے شادی کا خواہش مند تھا جب
کہ وہ اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

گوہر :۔ اپنے خیمے میں بیٹھی ہے۔ اس کا خوبصورت چہرہ کچھ سوچ رہا ہے
کہ اس کی ملازمہ جو اس کی سہیلی بھی ہے۔ آتی ہے۔

ملازمہ :۔ گوہر جان سردار گوہرام آیا ہے

[illegible] :- (رو) جا کر جاؤ کہہ دو کہ گوہر اس وقت سو رہی ہے۔

[illegible] :- میں آپ سے پہلے کہہ چکی ہوں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ملنا بہت ضروری ہے۔ وہ گہری نیند میں بھی ہو تو اسے اٹھا دیا جائے۔

گوہر :- کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہے کہ گوبرام داخل ہوتا ہے۔ اس کی بلا اجازت داخلے پر وہ ناراض ہو جاتی ہے۔ گوبرام تمہیں میرے خیمے میں داخل ہونے سے پہلے اجازت طلب کرنی چاہیئے تھی

گوبرام :- اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ گوہر تم میرے پڑوس میں ہو اور میں اچھے پڑوسیوں کی طرح سے تمہارے ہر قسم کے آرام کا خیال رکھنا اپنا فرض سمجھتا ہوں

گوہر :- کہو کیسے آنا ہوا ہے۔

گوبرام :- بے اختیار چلا آیا (گھبرا کر) میرا مطلب ہے کہ میں نے قندھارسے یہ خوبصورت نگینے والی انگوٹھی منگوائی ہے۔ جیب سے نکال کر روشنی کی طرف نگینہ کرتا ہے۔ اس کی چمک گوبرام کی آنکھوں میں بھی پڑتی ہے اور اس کی آنکھیں خوفناک انداز میں چمک اٹھتی ہیں۔

گوہر :- معلوم ہوتا ہے کہ نگینہ واقعی نایاب اور خوبصورت ہے۔ میں نے ایسی کئی انگوٹھیوں کو ایران سے منگوایا تھا اور اب بھی میرے صندوق میں پڑی قسمت کو رو رہی ہیں۔ ان کا نصیب ہی نہیں کہ میری انگلیوں میں آ جائیں۔

گوبرام :- گوہر جان یہ اپنے نصیب کی بات ہے لیکن میں اپنا اچھا نصیب لے کر پیدا ہوا۔ بدبختی میرا مقدر نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایسا نگینہ بھی میری مضبوط انگلیوں میں آ جائے تو گزرا چمک اٹھے گا۔ المہری اور لاشاری قبیلے کا ملاپ خوبصورت ہوگا۔

گوہر :۔ (غصے سے) جاکرو گوہرام تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی میں تو اس
علاقے میں اپنے تحفظ کے لیے آئی تھی نہ کہ . . . . . .

گوہرام :۔ سنو گوہر تمہارے نصیب میں جگا رہا ہوں میں تم سے شادی
کرنا چاہتا ہوں۔

گوہرام :۔ لیکن میں شادی تم سے نہیں کرنا چاہتی سمجھے یہ کہہ کر خیمے سے نکل
جاتی ہے۔ گوہرام کو غصہ آجاتا ہے وہ اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ
رکھتا ہے پھر کھینچ لیتا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے قلعہ
میں داخل ہو جاتا ہے۔ رات کا عالم ہے۔ چاند کی بارھویں ہے ہر
طرف چاندنی کا فرش بچھا ہے ایسے میں گوہر جان بے حد اداس ہے
وہ خیمے کی چھوٹی کھڑکی سے چاروں طرف کا جائزہ لے کر اپنی ملازمہ
سے کہتی ہے۔

گوہر :۔ تم نے مال مویشیوں کو اکٹھا کر لیا ہے نا

ملازمہ :۔ بالکل تیار ہیں۔ میں گوہرام کو دیکھ کر آئی ہوں وہ یہاں موجود نہیں
ہے۔ یہی موقع ہے کہ نکل چلیں۔

گوہر جان :۔ (اداسی سے) ہاں تم ٹھیک کہتی ہو اب میری آخری پناہ گاہ بلوچوں
کے سردار میر چاکر خان کے پاس ہے۔ سنا ہے کہ وہ میرا تحفظ کر
سکے گا۔

ملازمہ :۔ گوہر جان میں اونٹوں اور گھوڑوں، ریوڑ کو لے کر بستی کی طرف
نکلتی ہوں تاکہ ان کے شور سے میر چاکر خان بیدار ہو جائے اور یہ
جانے کہ بے زبان جانور فریادیں کیوں کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر
ملازمہ ریوڑ کو ہانک کر لے جاتی ہے۔
گوہر گھوڑے پر سوار ہے اس کا ایرانی چہرہ چاندنی میں چمک رہا
دوپٹے کے باریک نقاب نے اس کے آدھے چہرے کے نقوش کو

ڈھانپ رکھا ہے۔ اس نے منگلوں کے انداز میں لباس زیب تن کیا ہے۔ دوپٹے پر ہیرے جواہرات جڑے ہیں اور تلوار اس کی میان میں لٹک رہی ہے۔ وہ گھوڑے سے کود پڑتی ہے اور گھوڑا فراٹے بھرنے لگتا ہے۔ ادھر مال مویشیوں کے شور و غل سے میر چاکر خان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باہر نکل آتا ہے اور ایک خوبصورت دوشیزہ کو تن تنہا مال کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ گھوڑا اس کے قریب آجاتا ہے اور گوہر چہرے اور چال ڈھال سے اندازہ لگاتی ہے کہ میر چاکر خان کون ہے۔

میر چاکر خان: ۔اے لڑکی تو کون ہے اگر انسانوں میں سے ہے تو اتنی رات گئے اتنے مال کے ساتھ یہاں کیسے آنا ہوا۔ کیا تجھے خوف محسوس نہیں ہوتا۔

گوہر جان: ۔ المہری قبیلے سے تعلق ہے نام گوہر جان ہے۔ بھائی کو بہرام لاشاری کی تھی۔ لیکن اس کی حرکات نے میر چاکر خان کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ رہی خوف کی بات تو سوائے خدا اور اس کے رسولؐ کے علاوہ کسی چیز کا خوف نہیں۔ تلوار کی دھنی ہوں۔ ارادوں کی پکی ہوں اور بہادروں کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہوں۔

میر چاکر خان: ۔ الحمد اللہ تیرا عزم واقعی بلند ہے گوہر۔ ہم نے تمہیں نہ صرف پناہ دی بلکہ تحفظ بھی دیا ہے تم ہمارے پاس رہ سکتی ہو۔

گوہر جان: ۔ شکریہ۔ بہت نوازش۔

میر چاکر: ۔ اپنے ملازموں سے ۔ جاؤ اور گوہر جان کا خیمہ لگا کر اسے سجا دو دیکھنا اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

یہ کہہ کر میر چاکر چلا جاتا ہے۔ اگلے روز پنڈال میں عجیب شور ہے زبردست تیاریاں جاری ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میر چاکر خان کے

میدان ریحان رند اور گوہرام کے بیٹے رامین گوہرام لاشاری کے درمیان کسی چیز کی ملکیت کے لیے گھوڑ سواری کا مقابلہ ہے مسئلہ یہ پایا جاتا ہے کہ جو بھی آگے نکل گیا وہ چیز اس کی ہو گی۔

علاقے کے سارے لوگ میدان میں جمع ہیں ڈھول بجائے جا رہے ہیں کہ پہلے ریحان رند آتا ہے تو رند تالیاں بجا کر روایتی رقص کر کے استقبال کرتے ہیں پھر رامین لاشاری آتا ہے تب بھی جشن ہوتا ہے دونوں جوان ایک دوسرے کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور مسکرا کر کہتے ہیں کہ جیت جس کی بھی ہو گی۔ دوستانہ ماحول رہے گا۔

بگل بجتا ہے۔ گوہر جان بھی محفل میں موجود ہے کہ رامین کی نظریں اس پر پڑتی ہیں اس کی نظروں میں نفرت اور غصہ چڑھتا ہے گوہر جان اپنی نظریں چرا لیتی ہے۔

دونوں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگتے ہیں اور بالکل برابر جا رہے ہیں۔ شور مچتا ہے کہ دونوں شہسواری میں برابر ہیں کہ اس اثنا میں ریحان رند کے گھوڑے کا ایک کان رامین کے گھوڑے سے آگے نکل جاتا ہے اور یوں یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ریحان رند جیت گیا ہے رامین فوراً گھوڑا وا مڑ جاتا ہے اور ریحان رند کو رند اٹھا کر کندھوں پر بٹھا دیتے ہیں۔ خوب جشن منایا جاتا ہے۔ گوہر اپنے خیمے میں آتی ہے اور اپنی ایک اور ملازمہ سے کہتی ہے۔

گوہر :- رخو آج رامین لاشاری مجھے غصہ سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوفناک چمک تھی ـــــ اس کے ارادے اچھے نہیں لگتے۔

رخو :- گوہر جان غم نہ کر تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو میر چاکر خان کی پناہ میں ہے۔ اسی اثنا میں اونٹنی کے چلانے کی آواز آتی ہے آواز

اتنی دردناک ہے کہ میر چاکر فوراً گوہر کے خیمے میں پہنچ جاتا ہے
اور کہتا ہے۔

میر چاکر خان:۔ کیا بات ہے؟ یہ اونٹنیاں چلّا کیوں رہی ہیں

گوہر:۔ لگتا ہے کہ میری اونٹنیوں کو کسی بھیڑیے نے کاٹ کھایا ہے
اتنے میں یہ باہر نکل آتے ہیں تو گوہر کی دس اونٹنیاں زخمی
کھڑی ہیں اور ان کے پیچھے ملازمہ گھبرائی ہوئی ہے۔

میر چاکر خان:۔ یہ زخم بھیڑیے کے نہیں ہیں۔ کسی تلوار سے لگائے گئے ہیں
صاف صاف کہو۔ ان کو کیا ہوا ہے۔

ملازمہ:۔ سردار اعظم میں اونٹوں کو چرا رہی تھی کہ رامین لاشاری وہاں سے
گزرا۔ گوہر جان کی اونٹنیوں کو دیکھ کر رک گیا اور بھیڑ تلوار کے
وار کرتا آگے بڑھ گیا اور کہنے لگا۔ جاؤ گوہر جان سے کہہ دینا کہ
چاکر تمہارا تحفظ کیا کرے گا میں تلوار کے گھاؤ لگا کر جا رہا ہوں۔

میر چاکر خان:۔ جنگ ——— وہ جنگ چاہتا ہے اس نے میرے علاقے
میں میرے تحفظ میں آئی عورت کے مال پر حملہ کیا ہے۔ میں اسے
اس بات کا سبق دوں گا۔

گوہر:۔ (آنسو آئے ہوئے) نہیں میر چاکر نہیں۔ محض میری وجہ سے جنگ نہ
کرو۔ میں تلوار کے یہ گھاؤ رامین لاشاری کو بخش دیتی ہوں۔

میر چاکر:۔ (غصے سے) نہیں ہرگز نہیں۔

وہ باہر نکل جاتا ہے۔ علاقے میں منادی کرا دی جاتی ہے رند جوق
در جوق ہتھیار لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ تب میر چاکر خان اٹھ کر
انہیں سارا واقعہ بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ لاشاریوں نے رندوں
کو للکارا ہے ہم بزدل نہیں ہیں۔ ہم بدلہ لیں گے۔

[illegible]:۔ اٹھ کر کہتا ہے۔ اے سردار اعظم اتنی معمولی بات کے لئے جنگ و

بزدل درست نہیں ہے ۔ میں اپنے سو اونٹ بطور عطیہ گوہر جان کو دینے کو تیار ہوں ۔ جنگ کی تباہی اچھی نہیں ہو گی ۔

دیگر سردار ۔ بی برک شاید تم خوف زدہ ہو تمہیں وہ تیر ابھی تک یاد ہے جو لاشاریوں سے جنگ کرتے ہوئے تمہارے شانے پر لگا تھا لیکن ہم بزدلی نہیں کریں گے ۔ ہم جان دے دیں گے ۔

بی برک :۔ (غصے سے) قسم ہے مجھے اس تلوار کی میں بزدل نہیں مصلحت پسند ہوں ۔ چاہتا ہوں کہ یہ جنگ نہ ہو یاد رکھو ۔ کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی ۔ کتنے جوان محض اونٹ کی وجہ سے مارے جائیں گے لیکن اگر پھر بھی تم تیار ہو تو میں تم سے پہلے تیار ہوں ۔

میر چاکر خان :۔ (بلند آواز سے یلغار)

یوں رند ہزاروں کی تعداد میں گندھاوا کے قریب گاجان میں درہ نلی میں پہنچ جاتے ہیں دوسری طرف گندھاوا قلعے کا دروازہ کھلتا ہے اور لاکھوں لاشاری آندھی اور طوفان کی طرح رندوں پر ٹوٹ پڑے ہیں گھمسان کا رن ہوتا ہے ۔ آہ ! فریاد کی آوازیں آتی ہیں آدمی کٹ کر گر پڑتے ہیں ۔ تلوار کا ایک وار بی برک کو بھی لگتا ہے اور وہ گر جاتا ہے ۔ سردار گوہرام ساتھیوں کو کہتا ہے ساتھیو ! تقریباً سو رند امیر جوان مارے جا چکے ہیں اور یہ سبق کافی ہے واپس گندھاوا چلو یوں گوہرام کی آواز کے ساتھ ہی لاشاری واپس قلعے میں داخل ہو جاتے ہیں ۔ قلعے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے ۔ میر چاکر خان بچے کچھے رندوں کے ساتھ درہ نلی سے واپس آتا ہے اور دربار لگاتا ہے ۔

میدان جنگ میں جب بی برک کو ہوش آتا ہے تو وہ گھسیٹ گھسیٹ کر اپنے آپ کو ایک غار میں پہنچاتا ہے اور بیہوش ہو جاتا ہے ۔

ہربار خان :- آج علاقے میں سوگ ہے۔ چراغ نہیں جلیں گے۔ میرا بہادر بھا سنجابی رک بھی اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ اس کی بیویوں کا برا حال ہے۔ شہزادی گراں ناز اور ملی بیہوش پڑی ہیں۔

سردار :- ہمارے سات سو جوانوں کی موت ایسا سانحہ ہے کہ ہم دوبارہ اُٹھنے کے قابل نہیں ہیں۔ یہ نقصان رندوں کا عظیم نقصان ہے اور اور کچھ کہنا چاہتا ہے۔ رک جاتا ہے اسردار اعظم دور دیکھیے کوئی آرہا ہے۔

میر چاکر :- ہاں کوئی زخمی رند معلوم ہوتا ہے۔

سردار :- یہ ——— یہ بی برک ہے سردار اعظم۔

میر چاکر :- (خوشی سے) بی برک زندہ ہے تو سمجھ لو کہ ہمارے سات سو رند بھی زندہ ہیں بی برک اکیلا ایسی تدابیر نکالے گا کہ ہم دوبارہ جنگ جیت جائیں گے۔

ایک بلوچ بی برک کو سہارا دیتا ہے۔

بی برک :- سردار اعظم میں سفر کے قابل نہیں ہوں۔ آپ جائیں اور ہرات کے شاہ حسین سے کہیں کہ ہماری مدد کرے وہ شجاع الدین ارغون کو لکھے کہ وہ ہماری مدد کو فوجیں بھیجے ہم لاشاریوں سے مقابلہ کریں گے۔ یہ کہہ کر بیہوش ہو جاتا ہے۔

میر چاکر :- ہاں یہ تجویز مناسب ہے۔ میں اسی وقت اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چلنے کی تیاریاں کروں گا۔

چند لوگوں پر مشتمل یہ قافلہ ہرات روانہ ہوتا ہے کہ کچھ دور جا کر گوہر جان مہیں ان سے آن ملتی ہے اور کہتی ہے

گوہر :- سردار اعظم میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے تم نے میری نگہبانی کی انتہا کر دی اور محض اونٹوں کے زخمی ہونے پر سات ہزار کے سروں کی قربانی دی۔ میں . . . . میں کچھ عرصہ ہرات میں رہنا چاہتی ہوں تاکہ یہ غم غلط کر سکوں۔

میر چاکر :- مجھے کوئی اعتراض ہے۔

اور یوں وہ بھی قافلے میں شامل ہو جاتی ہے۔ ہرات کا بادشاہ شاہ حسین میر چاکر خان کا رقعہ لئے ٹہل رہا ہے کہ اس کی والدہ داخل ہوتی ہے۔ وہ پروقار عورت ہے۔ سر سفید ہے لیکن خوبصورت عورت ہے۔

شاہ ہرات :- والدہ کے قدموں میں جھک جاتا ہے۔

والدہ شاہ حسین :- کیا بات ہے۔ شاہ کچھ فکرمند نظر آرہے ہو۔

شاہ :- والدہ محترمہ قاصد آیا ہے اور بلوچوں کے سردار میر چاکر خان کا پیغام لایا ہے۔

والدہ :- کیا میر چاکر خود بھی ہرات آیا ہے۔

شاہ :- جی امی حضور وہ ہم سے مدد طلب کرنا چاہتا ہے تاکہ لاشاریوں کو سبق دے سکے۔

والدہ :- یہ قصہ گوہر جان کی اونٹنی کا تو نہیں ہے۔

شاہ :- جی امی حضور آپ نے بالکل درست جانا ہے۔ گوہر جان میر چاکر کی پناہ میں تھی کہ اس کے ساتھ یہ سانحہ پیش آیا۔ ہم سوچ رہے ہیں کہ کیا کریں۔ مصلحت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم ان دونوں قبیلوں میں مداخلت نہ کریں۔ یہ لاشاریوں اور رندوں کا معاملہ ہے لیکن امی حضور آپ کی عقل و دانش کیا کہتی ہے۔

والدہ :- ہم سمجھتے ہیں کہ تمہیں میر چاکر خان کا ساتھ دینا چاہیئے اس نے

غیرت پر لڑائی کی ہے اور پھر وہ بلوچوں کا سردار بھی ہے۔ لیکن ہم میر چاکر خان کی عقل اور بہادری کا امتحان لینا چاہتے ہیں سو اس کا بندوبست کرو۔

شاہ حسین :۔ بہتر امی حضور۔

اگلے روز ایک کھلے گراؤنڈ میں سب جمع ہیں۔ گراؤنڈ کے اوپری حصہ میں شاہ حسین، ان کی والدہ اور دوسرے شاہی ارکان موجود ہیں کہ میر چاکر خان میدان میں آتا ہے۔

شاہ حسین :۔ میر چاکر خان یہ بتاؤ کہ انسان کا سب سے بڑا ہمدرد کون ہے اور اس کا مددگار کون بنتا ہے۔

چاکر خان :۔ کچھ سوچ کر اے بادشاہ انسان کا سب سے بڑا ہمدرد اس کا ایمان کامل ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ خالی ہاتھ بھی ہو۔ لیکن اس کا جذبہ ایمان سے لبریز ہو تو وہ ہر کام کر سکتا ہے۔

وزیرات :۔ تو چھوڑ دو مست ہاتھی تاکہ ابھی اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ میر چاکر خان کے ہاتھ خالی ہیں اور اس کا دل ایمان سے لبریز ہے چند منٹوں میں ایک مست ہاتھی سونڈ ہلاتے اندر پنڈال میں داخل ہوتا ہے۔ خوف کا عالم طاری ہے۔ میر چاکر خان کے ساتھی بے چین سے پہلو بدل رہے ہیں۔ میر چاکر خان بالکل خالی ہاتھ ہے وہ ہاتھی کی زد سے پہلے تو اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتا ہے ہاتھی خوفناک انداز میں سونڈ گھما کر وار کرتے آتا ہے۔ اس کے دوڑنے کی رفتار بے حد تیز ہے۔ عورتیں مارے خوف کے آنکھیں بند کر لیتی ہیں۔ اچانک میر چاکر کی نظر اپنے بچاؤ کے لئے کونے میں

سبھی ہوا بل پر پڑتی ہے۔ وہ جلدی سے بل کو اٹھا لیتی ہے۔ ہاتھی
جونہی اس کے قریب آتا ہے وہ بل کو گھما کر اس کی سونڈ پر ضرب
مارتا ہے۔ بل چلاتی ہوئی اپنی جان بچانے کو ہاتھی کی سونڈ سے لگ
جاتی ہے اور اپنے پنجے اس کی سونڈ میں پیوست کر دیتی ہے۔ ہاتھی
بلبلا اٹھتا ہے اور پوری رفتار سے واپس بھاگ جاتا ہے۔
ہر طرف سے واہ! واہ کا شور اٹھتا ہے۔ داد تحسین دی جاتی ہے

شاہ ہرلطف :۔ ہمیں تمہاری عقل و دانش اور بہادری کا یقین ہے۔ جاؤ ارغون تمہیں اپنی فوجوں کی پوری مدد دے گا ہم نے تمہاری مدد کرنی منظور کی ہے

میر چاکر خان :۔ شکریہ ادا کرتا ہے۔ راستے میں ہی شجاع الدین ارغون اپنی فوجیں لیے میر چاکر خان سے آملتا ہے اور یوں یہ پوری تیاریوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔ کھلے میدان میں ان کے خیمے لگے ہیں شجاع الدین ارغون کا بیٹا اور شہزادی گراں ناز کا بھائی حیدر بھی موجود ہے۔ وہ اپنے والد سے اجازت لینے آتا ہے۔

حیدر :۔ ابا حضور بی برک اور شہزادی ارغون نے مجھے بلایا ہے۔ میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں۔

شجاع الدین :۔ اجازت ہے۔ بیٹا لیکن جلدی لوٹ آنا۔ جنگ کی تیاریاں بھی کرنی ہیں۔

حیدر :۔ گھوڑے پر سوار روانہ ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف گندھاوا قلعہ میں لاشاری جمع ہیں اور باتیں کر رہے ہیں۔

سردار نوطرام :۔ ترکوں کی مدد لے کر میر چاکر خان آگیا ہے۔ ان کی مدد بہت زیادہ ہے۔

ایک لاشاری :۔ ہمیں اس جنگ کو ہر حالت میں روکنا ہے۔ سردار اور اس میں ہماری

عقلمندی اور مصلحت ہی کام آسکتی ہے۔ سنا ہے کہ شاہ ارغون رحمل
ہے پھر گوا ہرام کے کان میں کچھ کہتا ہے اور وہ خوشی سے سر ہلاتا ہے
رات کے آخری پہر شاہ ارغون کو اشرفیوں کی کئی تھیلیاں ملتی ہیں اور
چند لاشاریوں کو دکھایا جاتا ہے کہ وہ ترکوں کے ہر خیمے کے باہر جا
جا کر ہر مغل سپاہی کو اشرفیوں کے تھیلے پکڑا رہے ہیں اور وہ خوشی
سے وصول کرکے اپنی برہنہ تلواروں کو واپس میان میں رکھ رہے
ہیں۔ چند لمحے پہلے جو جنگ کی تیاریاں شروع تھیں اب ختم ہو
رہی ہیں۔ ڈھر اڈھر سامان بند کیا جا رہا ہے۔ صبح کے آثار نمودار
ہوتے ہی شجاع الدین ارغون کا لشکر کوچ کرنے لگتا ہے کہ میر چاکر اور
بی برگ آجاتے ہیں۔

میر چاکر :۔ شاہ ارغون واپسی کی تیاری کیسے؟ ہمیں تو ابھی اور اسی وقت
گندھاوا پر حملہ بولنا ہے۔ ہماری تیاریاں بھی مکمل ہوگئی ہیں۔ ہم
درہ بولان کے شہیدوں کا بدلہ لیں گے۔

شجاع الدین :۔ میر چاکر مجھے نہایت ضروری کام سے ابھی اور اسی وقت واپس
جانا ہے۔ یہ لڑائی انشاء اللہ اگلے برس ہوگی۔ ویسے بھی میرے سپاہی
دشت میں آکر بیمار ہوگئے۔

میر چاکر خان :۔ شجاع الدین یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم اس جنگ کا ارادہ
لے کر چلے تھے۔ ہمیں جنگ ضرور کرنی چاہیئے۔

شجاع الدین :۔ ضروری نہیں کہ ایسا ہو ——— ہم بھی ارادہ لے کر آئے تھے
لیکن یہاں کے حالات مختلف ہوگئے۔ یہاں کی آب و ہوا ہمارے
سپاہیوں کو راس نہیں آتی ہے۔

میر چاکر خان :۔ تلوار پر ہاتھ رکھ کر یہاں کی آب و ہوا تمہیں خوب راس آئی
ہے۔ شجاع الدین اردلیوں کی جھنکاروں نے دشت کی آب و ہوا کو

سپاہیوں کے لیے غیر معتدل قرار دیا ہے۔

شجاع الدین :۔ (غصے سے) اے سردار اعظم تمہارا مطلب کیا ہے؟ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

میر چاکر خان :۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا میں کہہ چکا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ چاکر نے قندھار جا کر اپنا وقت ضائع نہیں کیا ہے۔ وہ اپنا بدلہ لینا جانتا ہے۔

بی برک :۔ (میر چاکر خان کے کان کے پاس) آپ انہیں واپس جانے کی اجازت دے دیں، سردار اعظم۔ ہم ایسی چال چلوں گا کہ گرد اڑاتے یہ گھوڑے آندھی و طوفان بن کر قندھار پر چھا جائیں گے۔

میر چاکر خان :۔ (کی آنکھوں میں خوفناک چمک آجاتی ہے) وہ ہاتھ آگے بڑھاتا ہے اور شجاع الدین اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے چاکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

واپسی کا بگل بجتا ہے اور فوج کو واپس جاتے دکھایا جاتا ہے۔ ہیبتناک منظر ہے۔ گھوڑے گرد اڑا رہے ہیں تیز ٹاپوں کی آوازیں آرہی ہیں، جن میں شجاع الدین کے چہرے پر مکاری اور مسکراہٹ کا تاثر ہے جب کہ فوج کی گرد کے اوپر میر چاکر خان کا چہرہ نظر آرہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں خوفناک تیز چمک ہے۔ وہ ہیبت کی تصویر بنا ہوا ہے۔ ساری فوج نکل جاتی ہے تو شجاع الدین کا بیٹا حیدر اور بی برک آہستہ آہستہ فوج کے پیچھے گھوڑے پر روانہ ہوتے ہیں۔

بی برک :۔ حیدر دشت کی خاک تمہیں کیسی لگ رہی ہے۔

حیدر :۔ یہ خاک میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ بی برک میرا بس چلے تو میں اس خاک کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں بسا لوں۔ ٹھنڈی سانس بھر

کہ اسی دشت کی خاک میں میری پیاری بہن شہزادی گل نازکی سانسوں کی مہک شامل ہے۔ معلوم ہے۔ جب میرا اور شہزادی نازو تیغ زنی ہوا کرتا تھا ———— حیدر کی آنکھوں میں شہزادی کا بچپن جیسے لگتا ہے۔ جس میں شہزادی دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو مس رہی ہے اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر کے حیدر کی پیٹھ پر وار کرتی ہے۔

بی برک :۔ تم کن ماضی کے خیالوں میں کھو گئے ہو۔ تمہاری بہن اسی دشت کی شہزادی ہے۔ حیدر بچپن بھی عجیب لمحات کا نام ہے۔ میرا بچپن تو تیر اندازی کی نذر ہوا۔

حیدر :۔ ادھر ———— بابا اور فوج کافی دور نکل گئے ہیں۔ گھوڑے کو تیز بھگاتے ہیں۔

بی برک :۔ اچھا ہے کہ سیر کرتے جا رہے ہیں۔ تمہارا گھوڑا رفتار میں تو خاصا تیز ہے نا

حیدر :۔ بہت زیادہ بھی نہیں۔ لیکن میں اسے تمہاری طرح گوشت نہیں کھلاتا۔

بی برک :۔ گھوڑے پر سفر کا مزا تو بہت آتا ہے کہ وہ مضبوط جان کا مالک ہو۔

حیدر :۔ ہنس کر ہاں تمہارے گھوڑے کی شان ہی نرالی ہے۔ آدھا من سونے کا وزن بھی اسے اٹھانا پڑتا ہے۔

بی برک :۔ (رفتار کو تیز کرتے) اب تو یہ وزن اٹھانے کا عادی ہے۔

حیدر :۔ بے خیالی میں چاروں طرف دیکھتا بڑھ رہا ہے کہ بی برک چپکے سے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھتا ہے اور دانت پیستے ایک دم نعرہ بلند کرتے ہی فضا میں تلوار لہراتا ہے۔

حیدر :۔ گھبرا کر یہ . . . یہ کیا کر رہے ہو بی برک۔

بل برک :- تو دوسرے کو ہوشیار کر رہا ہوں کہ بعد میں یہ نہ کہو کہ بل برک نے بزدلوں کی طرح حملہ کیا ہے۔

حیدر :- (تلوار نکال کر) مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آ رہی ہے۔

بل برک :- تم سمجھو کہ شجاع الدین کی فوج واپس ہرگز نہ جائے گی۔

کچھ دیر تک دونوں میں تلوار کا مقابلہ ہوتا ہے اور پھر تلوار کے ایک ہی وار سے بل برک حیدر کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر تلوار بلند کر کے اپنا شانہ بھی زخمی کر دیتا ہے اور گھوڑے پر گر کر گھوڑے کو شجاع الدین کی فوج کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ بل برک گھوڑے پر اوندھا پڑا ہے کہ شجاع الدین کا ایک سپاہی اسے اطلاع دیتا ہے کہ گھوڑے پر کوئی زخمی ہے۔ فوج رک جاتی ہے اور گھوڑا بل برک کو لے کر شجاع الدین کے سامنے ٹھہر جاتا ہے۔

شجاع الدین :- (گھبرا کر لرزتے ہاتھوں سے) بل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بل ۔ ۔ ۔ برک تم ۔ ۔ ۔ ۔ زخمی کیسے ہوئے ہو ——— میرا ——— میرا حیدر کہاں ہے بے اختیار جھنجھوڑ دیتا ہے۔ میرا حیدر کہاں ہے۔

بل برک :- (نیم وا آنکھوں کو کھول کر) اسے ۔ ۔ ۔ ۔ اسے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظالم لاشاریوں نے ناحق قتل کر ڈالا وہ تعداد میں زیادہ تھے ہم پر چھپ کر وار کیا پل جھپکتے ہی یہ سانحہ پیش آگیا کہ کچھ سجھائی نہ دیا۔

شجاع الدین : (لرز کر) لاشاریوں نے دشمنی میں اندھا ہو کر حیدر کو قتل کر کے اچھا نہیں کیا ہے۔ حیدر کا قتل مغل قوم کا قتل عام ہے۔ گرج کر واپسی بہادر مغلو چلو اور گندھاوا پر دھاوا بول دو۔ ایک بچہ بھی زندہ نہ بچے ان کی نسل کو نیست و نابود کر دو۔ کسی ایسی عورت کو بھی زندہ نہ چھوڑو جو نسل کو جنم دینے والی ہے۔ چند لمحے پہلے گھوڑوں کی رفتار آہستہ تھی یک دم بجلی کی طرح پوری فوج نے گھوڑوں کی لگامیں گندھاوا کی

طرف موڑ دیں۔ فوج طوفان کی طرح بادل بن کے گرا دشمن [illegible] تھے
میں رند بھی آملے اور تینوں جگہوں سے فوج آگر ملی تو میدان [illegible]
سے آٹ گئے۔ میر چاکر خان کا چہرہ اور شجاع الدین کا [illegible]
کے جذبے سے عجیب منظر پیش کر رہا ہے۔ مغلوں اور رندوں
نے آن واحد میں قلعے کے بڑے دروازے کو ایک ہی ہتھوڑے
سے ریزہ ریزہ کر ڈالا اور غوری نہیں بچے۔ بوڑھے جوان مولی گاجر
کی طرح کاٹ کر رکھ دیئے۔ مغلوں اور رندوں نے جوش انتقام
میں پورے گندھاوے کو ویران نیست و نابود کر ڈالا۔ ہرے بھرے
درختوں کو بھی اپنی تیز دھار آر تلواروں کی زد میں لے لیا۔ حتیٰ کہ
درختوں پر بیٹھنے والے پرندے بھی اسی قتل و خون سے گھبرا
کر کہیں دوسری جگہ کوچ کر گئے۔ آسمان پر بے شمار چیلیں منڈلا
رہی ہیں اور کئی چیلوں کی چونچوں میں انسانی اعضا کے ٹکڑے
دیے ہیں۔ کئی چیلیں ویرانے میں لاشوں کی آنکھوں پر وار کر کے
ان کی آنکھوں کو نکال رہی ہیں۔ عجیب ہیبت ناک منظر ہے۔ قتل
و غارت کا یہ میدان کافی دیر گرم رہا۔ لاشاریوں نے حتیٰ الامکان مقابلہ
کیا اور پھر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ چند ثانیے انتظار کے
بعد شجاع الدین نے اپنے سپہ سالار سے کہا کہ

شجاع الدین : کیا انتقام کی آگ سرد ہو گئی ہے سپہ سالار۔

سپہ سالار : حضور والا ہمارے جوانوں کو انتقام کی آگ میں یہ ضرورت کا احساس
رہا نہ بوڑھوں اور بچوں کا۔ اس وقت گندھاوا میں کوئی زندہ جانور
یا پرندہ بھی نہیں رہا ہے۔ ہرے بھرے باغات کو بھی آگ لگا کر
راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا ہے اور اس زمین کی پیاس خون سے
بجھ چکی ہے۔

ہیں۔ ایسے میں ملی اپنے بالوں کو کھولے سیاہ چادر اوڑھے کھڑی ہے
اس کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے ہیں وہ
لرزتے قدموں سے بی برک کی طرف آتی ہے جو زخمی ہے اور دیوار سے
ٹیک لگائے جشن کا نظارہ کر رہا ہے۔ اسے ملی کی موجودگی کا احساس
ہوتا ہے۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھتا ہے۔

بی برک :۔ کیا بات ہے ملی تمہاری آنکھوں میں خوشی کے موقع پر آنسو؟

ملی :۔ ہاں بی برک تمہارے انتقام نے میرے بابل کا گھر اجاڑ کر رکھ دیا
ہے۔ مجھے یتیم کر دیا ہے۔ بتاؤ کیا اب تو تمہارے انتقام کی آگ
سرد ہو گئی ہے نا (طنزیہ انداز)

بی برک :۔ (گہرا سانس لے کر) یہ میرا انتقام نہیں تھا ملی۔ یہ گوہر کی اونٹنی کا قصہ
ہے۔ ایسا خون خوار قصہ جس نے لاشاری قبیلے کو نیست و نابود کر ڈالا
مغلوں اور رندوں نے نہ صرف موجودہ نسلوں کو ختم کر دیا بلکہ
آنے والی نسلوں کو بھی ماؤں کے پیٹ سے نکال کر ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا تاکہ ان سے مقابلے کے لئے کوئی نہ رہے۔ بہادر
رندوں نے اپنے مقابلے پر آنے والی قوم کو بتا دیا کہ ہم سے
لڑنا آسان بات نہیں ہے۔

ملی :۔ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر میرا بھائی رامین لاشاری

بی برک :۔ وہ مغلوں کا نشانہ بن گیا ہے۔

ملی :۔ (روتے ہوئے) اور میرا باپ گوہرام لاشاری۔

بی برک :۔ وہ اسی خونریز معرکے میں زندہ بچا ہے لیکن گجرات چلا گیا ہے
اب اس کے لئے گندھاوا میں رکھا بھی کیا ہے؟ کوئی انسانی نفس
زندہ نہیں ہے۔

ملی :۔ (روتے ہوئے) میں اپنے کھلے سیاہ بال رب کے سامنے گندھاوا

شجاع الدین :- (دھیمے لہجے میں) ہاں سینے کی آگ تو ٹھنڈی ہو گئی ہے لیکن دل میں حیدر کی جدائی کی جو پھانس چبھی ہے وہ نکالے سے نہیں نکل رہی ہے۔

سپہ سالار :- حضور حیدر اشاریوں کو حملے کے فوراً بعد یہاں سے مال و سامان کے ساتھ کوچ کرتے دیکھا گیا ہے اگر اجازت ہو تو ان کا تعاقب کیا جائے

شجاع الدین :- (ہاتھ کے اشارے سے روک کر) نہیں ـــ نہیں۔ ہمیں واپس جانا ہے۔ کیا میر چاکر خان واپس چلے گئے ہیں۔

سپہ سالار :- حضور فتح کے بعد ان کے یہاں جشن منایا جا رہا ہے اور آپ کے لئے اور ہم سب کے لئے ان کا ایلچی پیغام خیر سگالی کا لایا ہے کہ ہم بھی اس میں شرکت کریں۔

شجاع الدین :- نہیں ہرگز نہیں ہم حیدر کا سوگ منائیں گے۔ ہم اپنی پیاری بیٹی شہزادی گراں ناز کو ان کے یہاں ہونے والے جشن کے موقع پر حیدر کا سوگ نہیں دینا چاہتے۔ کوچ کی تیاریاں کی جائیں۔ فوج کی واپسی کی تیاریاں ہیں۔ فوج آہستہ آہستہ گزر رہی ہے۔ گزرگاہ لاشوں سے اٹا پڑا ہے اور کہیں بھی زندگی کے آثار نہیں ملتے۔ فوج دشت کے علاقے سے آگے گزر جاتی ہے۔

ادھر رند قبائل میں جشن کا سماں برپا ہے وہ اپنی اس جیت پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں اور بلوچوں کا روایتی کھیل پیش کر رہے ہیں۔ میر چاکر خان دائرے کی صورت میں گاؤ تکیے سے سہارا لئے دیکھ رہا ہے۔ کہیں نیزے بازی کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ بلوچ بلوچی چاپ روایتی رقص پیش کر رہے ہیں۔ ادھر عورتوں میں بھی جشن کا سامان ہے۔ بلوچ دوشیزائیں اپنی رنگ برنگی اوڑھنیوں میں سر پہ لہراتے روایتی انداز میں گانے گا رہی ہیں اور دف بھی بجا ر

کی نذر میں پیش کرنا چاہتی ہوں۔ بی برگ اب ان لاشوں پر رونے والا بھی کوئی نہیں بچا ہے۔ میں ان لاشوں پر آنسو بہانا چاہتی ہوں۔ ان سڑکوں کا نشان ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔ جہاں اب خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ جہاں میرا بچپن گذرا ہے۔

بی برگ :- (مشعلہ بار آنکھوں سے) مل پھر آواز کو دھتکار کے مجھے تم سے بزدلی کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ تم ایک بہادر بلوچ کی شریک حیات ہو۔

گراں ناز :- میں ——— میں ——— میں انسان بھی ہوں۔ میرے بھی کچھ احساسات ہیں۔ میں بھی دل میں نرم جذبات رکھتی ہوں۔ (روتی ہے)

بی برگ :- میں تمہاری دلی کیفیت سے آگاہ ہوں اور تمہیں آنسو بہانے سے منع نہیں کروں گا جاؤ اور جا کر گندھاوا کی سڑکوں پر اتنے آنسو بہاؤ کہ تمہارے آنسو خشک ہو جائیں اور بہتے خون میں شامل ہو جائیں۔ تمہارے دل کی بھڑاس نکل جائے اور تمہیں سکون مل جائے۔ (چند لمحے کھڑی رہتی ہے اور پھر باہر نکل جاتی ہے اسے دور جاتے دکھایا جاتا ہے۔ سڑکوں کے درمیان کسی نقطہ کی مانند۔ وہ دور ہوتی چلی گئی۔)

تنہا بی برگ :- (وہاں کھڑا ہوتا ہے، دف کی آواز تیز ہو جاتی ہے۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا ہے پھر شہزادی گراں ناز کے کمرے کی طرف جاتا ہے جو سیاہ لباس میں ملبوس ہے اس کے سیاہ لانبے بال کھلے ہیں اور زمین پر ڈھلک رہے ہیں۔ بی برگ کو ماضی یاد آتا ہے۔ قلعے پر چڑھنا اور شہزادی گراں ناز کو ساتھ اتارنا پھر گھوڑے پر سوار کرکے دشت کی طرف آنا۔ اچانک شہزادی گراں ناز مڑتی ہے تو بی برگ کو محو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔)

شہزادی گراں ناز :۔ . . . تم ——— مگر کیا دیکھ رہے ہو

بی برک :۔ ——— ہاں ——— میں تمہیں دیکھ رہا ہوں

شہزادی :۔ میں ماتم کناں ہوں اپنے اس دلیر بھائی کے لیئے جس نے محبت کے احساس کو جلادی تھی۔ جس کی محبت کو میں شاید کبھی بھی نہ بھلا سکوں۔

بی برک :۔ مجھے افسوس ہے گراں ناز کہ میں حیدر کی حفاظت نہ کر سکا لیکن مطمئن ہوں کہ گندھارا کے باسیوں کو اس کا سبق مل گیا ہے۔

شہزادی گراں ناز : مجھے حیدر کے قاتلوں کی تلاش ساری عمر رہے گی۔ جب تک میرے لانبے بالوں میں طاقت کا آخری سانس باقی ہے میں ان بالوں کو قاتل کے لئے پھانسی کی زنجیر بنا ڈالوں گی۔

بی برک :۔ گھبرا کر۔ گراں ناز اپنے بالوں کو گوندلے اور بالوں کی لانبی مینڈھیاں بنا کر اسے پشت پر ڈال دے تیرے نرم و نازک خیالات کے ساتھ سنگ دلی اور ظلم و تشدد کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

گراں ناز :۔ کیا کروں بی برک تیرا ساتھ ہونے کے باوجود میرا احساس اور انتقام کا جذبہ ختم نہیں ہو رہا۔ میری روح بے چین ہے۔ لگتا ہے۔ جیسے میرا وجود ریزہ ریزہ ہو کر فضاؤں میں بکھر جائے گا

بی برک :۔ اپنی جوانی کو رنجیدہ نہ کر گراں ناز یہ زندگی اور جوانی کی بہار بار بار نہیں آئے گی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جب . . . جب میری عمر کی بیس بہاریں مزید گزر جائیں گی تو صرف یادیں باقی رہ جائیں گی میں تصور میں اپنے آپ کو بوڑھا دیکھ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ لرز رہے ہیں۔ جسم کانپ رہا ہے اور جھریوں بھرا چہرہ . . . مجھے جوانی کا احساس دلاتے ہیں۔ تصور میں اپنے آپ کو بوڑھا دیکھتا ہے۔ اس کے بال سفید ہیں۔ لیکن داڑھی اتنی بڑی ہے کہ سفید

بالوں کو سر پہ باندھنے کے باوجود وہ کم محسوس نہیں ہونے اس کا بھرپور بھرا چہرہ بھی رعب دار ہے۔ تصور ہی تصور میں وہ شہزادی گراں ناز کو بھی بوڑھا دیکھتا ہے اور کھوئے کھوئے انداز میں کہتا ہے۔ یہ چہرہ میرے ماضی کو یاد دلائے گا اور اسی لمحے صرف میرے اشعار اور بیتی یادیں میرا سرمایہ ہوں گی اور لوگ مجھے چاچا کہہ کر پکاریں گے۔

ہی ناگراں۔

شہزادی:۔ غم نہ کرو بی برک کہ ہر انسان کو بہار کے بعد خزاں کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے۔ جوانی تو ایسی بہار ہے جو ہر انسان پر ضرور آتی ہے اور خزاں کا تصور موت کی افسردگی کا پتہ دیتا ہے۔ اے بی برک تیرے اشعاروں کی گرمی تیری بہادری کی داستانیں تیرے حسن و جمال کے چرچے تیری تلواروں کی چمک اور کاٹ کی کہانیاں تجھے ہمیشہ زندہ جاوید رکھیں گی ——— تو بلوچوں کا زندہ نشان ہے اور زندہ نشانیاں ایسی علامتیں ہوتی ہیں جو ہر دور میں تجھے دوہرائیں گی۔ رند تیری جوانی اور تیری بہادری کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ دشت کی اڑتی گرد تیری اس ادا کو بھی یاد رکھے گی تو اپنے گھوڑے کو گھاس کی بجائے گوشت اس لئے کھلاتا تھا کہ مجھے قندھار سے یہاں تک لائے۔

گراں ناز:۔ مسکراتی ہے بی برک کی آنکھوں میں تیز چمک پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ دونوں باہر نکل آتے ہیں اور پہاڑ پر چڑھتے ہیں۔ گراں ناز کے لمبے بال تیز ہواؤں کے چلنے سے فضا میں بکھرتے ہیں اور بار بار بی برک کے چہرے کا طواف کرتے ہیں دونوں کو پہاڑ پر چلتے دور ہوتے ہوتے سائے کی طرح دکھایا جاتا ہے۔

میدان میں جشن کا سماں بدستور طاری ہے اور جشن میں جوش و خروش امنڈ آیا۔ لگتا ہے۔ اسی لمحے بانسری کی سریلی آواز فضا میں بکھرنے لگتی ہے اور ایک خوب صورت "تاثر" دیتی ہے